وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 02	ربیع الثانی 1435ھ	فروری 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارچوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ النبا	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	نبیوں والے کام	مولانا زاہد الراشدی	
5	مدارسِ دینیہ میں جدید ذرائع ابلاغ کی تعلیم و تربیت	حافظ مختار احمد گوندل	
6	مذہبی فرقہ واریت: اسباب، نقصانات اور.....	فرید بن مسعود	
7	ہجرت کا آغاز	مسٹر کونسٹن ویرژیل	
8	صہیونیت.....(اہل علم کے تاثرات)		
9	حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت.....		
10			

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورۃ النبا 78، آیات 31-40﴾

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا O

بے شک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے

حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا O

(یعنی) باغ اور انگور

وَّکَوَاعِبَ اَتْرَابًا O

اور نوجوان ہم عمر عورتیں

وَّکَاْسًا دِھَاقًا O

اور (شراب کے) چھلکتے ہوئے گلاس

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا کِذّٰبًا O

(ایسی شراب کہ) وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ (خرافات)

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا O

یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے انعامِ متعین

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ

وہ آسمانوں اور زمین اور جو ان دونوں میں ہے

سب کا مالک ہے (اور) بڑا مہربان

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا O

کسی کو اس سے بات کرنے کا یارا نہ ہوگا

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

جس دن روح (الامین) اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے

لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا O

تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو (اللہ) رحمٰن اجازت بخشے

اور اس نے بات بھی درست کہی ہو

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ

یہ دن برحق ہے

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا O

پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنا لے

اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا

ہم نے تم کو عذاب سے جو عنقریب آنے والا ہے آگاہ کر دیا ہے

يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ

جس دن ہر شخص ان (اعمال) کو جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے دیکھ لے گا

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرَابًا O

اور کافر کہے گا اے کاش میں مٹی ہوتا!

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

أَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ، ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَكُنْ مِنَ الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ

''(سب سے پہلے) پہلی صف مکمل کرو پھر وہ جو اس کے بعد ہے، جو کمی رہ جائے تو وہ آخری صف میں ہونی چاہیے''

(ابوداؤد، عن انس رضی اللہ عنہ)

أَتِمُّوا الْوُضُوءَ ،وَیْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

''وضو اچھی طرح پورا کرو؛ ہلاکت یعنی (دوزخ کی) آگ ہے اُن (لوگوں کی) ایڑھیوں کے لیے (جو وضو میں کوتاہی کرتے ہیں) (بیہقی، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ)

أَثْقَلُ الصَّلاةِ عَلَى الْمُنَافِقِیْنَ صَلاَةُ الْعِشَاءِ وَصَلاةُ الْفَجْرِ وَلَوْ یَعْلَمُونَ مَا فِیْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا

''عشاء اور فجر کی نماز منافقوں پر سب زیادہ بھاری ہوتی ہے۔ اور اگر انھیں وہ معلوم ہو جائے جو ان دونوں نمازوں میں ہے تو وہ ضرور پڑھنے کے لئے آئیں اگرچہ گھسٹ کر ہی آنا پڑے''

(متفق علیہ، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

الجَامِعُ الصَّغِیْر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمه الله

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1۔ اسلام کے یورپ پر احسانات

گزشتہ سال کے حکمت بالغہ میں 'اسلام کے یورپ پر احسانات' کے عنوان سے چند قسطوں میں مسلمانوں کی علمی، سائنسی، تحقیقی اور تصنیفی خدمات کا ذکر تھا۔ مسلمانوں نے یہ علم ہند، چین، یونان، مصر اور ایران سے تلاش کر کے مدوّن کیا۔ ترتیب دیا اور احسن طریقے سے آگے بڑھایا اور کمال تک پہنچا کر یورپ کے حوالے کر دیا۔ یہ دور مسلمانوں کے عروج کا دور ہے لہٰذا ـــــــ اس دور کے علوم میں حکومت، ریاست، قانون، شہری حقوق، شہری ترقی، صفائی، ذرائع مواصلات، سڑکیں، پانی کی فراہمی، اس کی نکاسی اور تہذیبی و تمدنی میدان میں بھی پہلے سے کہیں بہتر معلومات کا سرمایہ موجود تھا جو مسلمانوں نے جاتے جاتے مغربی عوام کو دیا۔ مسلمانوں کے یہ علمی مراکز اُندلس اور بغداد تھے مغربی یورپ میں سپین، فرانس کا مغربی حصہ، سوئٹزرلینڈ وغیرہ کے علاقے اُندلس کا حصہ تھے، جبکہ مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ، ایران، ترکستان، روسی ترکستان، جنوبی ایشیا اور چین کے بعض علاقوں سمیت مشرق بعید میں انڈونیشیا اور ملائشیا کے دور دراز کے علاقے بغداد کے ماتحت تھے۔

مغرب میں غرناطہ اور مشرقِ وسطیٰ میں بغداد اس ترقی کی علامت تھے اور مسلم تہذیب کی رواداری، اخلاق، شرم وحیاء، انسانیت، اخلاق، احترام جان و مال اور آزادیٔ اظہار بلا لحاظ

رنگ ونسل و مذہب کی مثال تاریخ میں نہیں ہے۔غیر مسلم رعایا کے حقوق اسلام میں کیا ہیں اور مسلم 'ذہن' میں دیگر مذاہب کی کیا قدر ہے وہ سپین کے یہود (بنی اسرائیل) کے جذبات و احساسات کو پڑھ کر دیکھ لیں۔مسلمان دیگر مذاہب کے ساتھ حسن سلوک روا رکھ رہے تھے جبکہ یہود کو ـــــ یورپی ممالک سے نکالا جا رہا تھا اور قتل وغارت کے ذریعے نسل کشی کی جا رہی تھی۔

اسلام خالق کائنات کی احدیت کا علمبردار ہے لہٰذا مسلمانوں کے تمام اجتماعی وانفرادی علوم وفنون میں 'توحید' کی خوشبو جاری وساری ہے اور یہی ـــــ 'جامِ شیریں' مسلمانوں نے تمام دنیا کو اور بالخصوص یورپ کو پیش کیا تھا۔

مگر افسوس کہ یورپ نے اس 'جامِ شیریں' اور مسلم تہذیبی وثقافتی، علمی وفنی، سائنسی و تحقیقی ورثہ کو اپنا لیا مگر قلم وقرطاس میں اس کا نام لینا گوارہ نہ کیا۔شروع شروع میں (چودہویں، پندرہوں، سولہویں صدی) میں کہیں کہیں مسلمان اکابرین اور ماہرین کا نام آجاتا ہے تو بعد کے سالوں میں اسے کھرچ کھرچ کر ایک منصوبے کے تحت مٹا دیا گیا نہ صرف یہ بلکہ کسی نادیدہ قوت سے یورپ کے ایسے اپنے فرزندوں کو بھی نشانِ عبرت بنا دیا جو کہیں اسلام، توحید، آسمانی ہدایت، وحی اور قرآن مجید (اور بائبل) کا نام لیتے تھے۔

مزید افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بنی آدم کا وہ حصہ جو بدقسمتی سے یورپ میں بستا تھا اس کو مسلم تہذیب کے میٹھے ثمرات، آزادی اور احترامِ جان و مال کے ساتھ مذہبی آزادی اور انسانی عظمت کے رویوں کے ساتھ عفت وعصمت جیسے ورثہ سے روشناس کرایا جانا اور اس سے استفادہ کا موقع دیا جانا تو درکنار ان علمی ماخذوں سے یکسر محروم رکھا گیا ـــــ یورپ (اور موجودہ مغربی ترقی) پر چھائے کچھ ناپاک ذہنوں اور مکروہ ہاتھوں نے تاریخ انسانی کو مسخ کر دیا۔ ہر آنے والا 'نسل انسانی کا بچہ' اپنے ماقبل انسانوں سے علوم وفنون اور انسان دوستی کے آداب سیکھتا ہے اور آگے بڑھتا ہے اس کے برعکس حالیہ یورپی ترقی نے جب قدم جمائے تو ـــــ اسلام کے دورِ عروج کو اپنے ہاں کی DARK AGES یعنی دورِ جاہلیت بتایا گیا اور یوں یورپ میں آباد نسل انسانی کو شاندار ماضی سے کاٹ کر، نہ معلوم کیوں یونانی انسان دشمن، خدا بیزار، وحی دشمن اور عریانی کے پرستار فلاسفہ کے نظریات واُصولوں کی گہری مہیب کھائی میں دھکیل دیا گیا۔حکومت وریاست

میں انسان دوست، انصاف دوست، مساوات پر مبنی اُصولِ حکمرانی کی بجائے 'رومن لا' (ROMAN LAW) کی لاش کو اُٹھا کر دوبارہ ایوانِ اقتدار میں نصب کر دیا گیا تا کہ مقتدر طبقات من مانی، عیاشی اور بے حیائی کی راہ پر چلتے رہیں اور عوام کو جبر و قہر کے ذریعے محکوم رکھا جا سکے۔ رومی سلطنت کی تاریخ ڈیڑھ ہزار سال ہے مغربی تہذیب کے پیچھے کارفرما دماغوں نے یورپی ترقی کے جلو میں صنعتی و معاشی فروغ کا نقشہ دیکھا تھا۔ ذاتی اغراض اور منفی روّیوں کے علاوہ ہر طرح کی لوٹ کھسوٹ کے لئے اس کو ڈیڑھ ہزار سال تک طول دینے کی غرض سے رومی ظلم و جبر کا اندازِ حکمرانی اختیار کیا۔ ''تہذیبوں کا تصادم'' (CLASH OF CIVILISATIONS) کا امریکی مصنف یوں قلم طراز ہے:

> ''1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے.....'' (ترجمہ عبدالمجید طاہر، صفحہ 42)

اسی طرح انٹرنیٹ پر WESTREN CULTURE کے موضوع پر جو تحریریں موجود ہیں ان کے مطابق حالیہ مغربی تہذیب کی بنیاد میں یونانی خدا بیزار اور وحی دشمن رویہ کے ساتھ رومی ظلم و جبر کے منحوس نظریات پوری طرح جلوہ گر ہیں

The Foundational Triad

Traditional Western Culture is said to have been created by three main historical factors: ancient Greece, the Roman Empire, and Christianity. As such, it is also known by the terms "Greco-Roman culture", "Judeo-Christian culture", or "Judeo-Hellenic-Christian culture". The features of this "foundational triad" are complex and sometimes controversial (for example, the foundational triad is often seen as being deeply

patriarchal and masculine).

Ancient Greece

The culture of Ancient Greece and Ancient Rome is collectively labelled "classical culture". The time period in which this culture was dominant is called classical antiquity, and its creative output (especially books) is known as "the classics".

Western culture - Definition | WordIQ.com

www.wordiq.com/definition/Western_culture 2/5

ان شاءاللہ ـــــــ امسال چند قسطوں میں یورپ یعنی مغربی دنیا کی حالیہ تہذیب کے خدوخال اور اجزائے ترکیبی کا تذکرہ کریں گے۔ پھر ان شاء اللہ مغربی مصنّفین کی تحریروں اور تذکروں سے ہی آج کی مغربی تہذیب کے 'مثالی انسان' کا ایک نقشہ پیش کریں گے۔ آج جس انسان پر بھی مغربی تہذیب کا 'تاریک باطن' واضح ہے وہ تو ابھی سے اس حقیقت سے واقف ہے اور جو ابھی اس سے واقف نہیں ہے وہ بھی ان حقائق کو پڑھ کر آج کے مغربی 'مثالی انسان' ـــــــ کو ایک 'درندہ' اور 'خونخوار بھیڑیا' سے ہی تشبیہ دینا اپنے ضمیر کی آواز سمجھے گا۔ حالیہ مغربی تہذیب کی گراوٹ، وحشیانہ پن، عریانیت اور حیوانیت سوز طرزِ عمل کا ایک معقول حد سے زیادہ بیان و وضاحت بھی چونکہ عریانیت کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہے لہٰذا ایک خدا پرست اور خدا شناس انسان جو انسان دوست، علم دوست اور اخلاق دوست بھی ہو شائستگی کے معیار سے نیچے نہیں آ سکتا ہے۔ جس کیفیت کو علامہ اقبال نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے حقیقتاً صورتِ حال وہی ہے کہ موجودہ مغربی تہذیب کی حیوانیت سے بھی بدتر درجے میں گراوٹ کو

ع کسی بتکدے میں بیان کروں تو کہے صنم بھی 'ہری ہری'

2۔ نظامِ خلافت کا احیاء

اس سال دوسرا کام جو پیشِ نظر ہے ان شاءاللہ وہ ایک سلسلہ وار تحریر میں یا خصوصی شمارے کے ذریعے قارئین تک پہنچانے کی کوشش کریں گے (اللہ تعالیٰ اس ارادے کو پورا کرنے والا ہے) کہ موجودہ مغربی تہذیب کے زوال کے بعد جو نئی تہذیب اُبھر کر سامنے آنے والی ہے وہ

مسلم ذہن کے مطابق امن، آزادی، انصاف، عفت وعصمت اور بلا لحاظ رنگ ونسل ومسلک و ملت عوام کے لیے کفالت (یعنی روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج معالجہ کی بلا روک ٹوک فراہمی) کے نظام کی حامل خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا حسین، پاکیزہ اور خداشناسی وخداپرستی کی خوشبو کا حامل دورِ مسعود ہوگا ـــــ اس 'عظیم واقعہ' کے خدوخال، طریقہ کار اور ناگزیر تقاضے آج کی انسانیت اور بالخصوص مسلمانوں کو بتانے کی ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ یہ سلسلہ مایوس دلوں کے لیے اُمید کی کرن، مردہ دلوں کے لئے آکسیجن کی ماسک، مسلم نوجوان (MUSLIM YOUTH) کے لئے ایک نئی 'SPIRIT' اور پاکستان کے بارے میں کسی بہتری کی اُمید میں انتظار کرتے کرتے تھک کر بیٹھ جانے والوں کے لئے پیغامِ جان جانفزا ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ اب اس کے علاوہ دنیا کے پاس کوئی چارہ (OPTION) نہیں ہے۔

3۔ حصولِ انصاف کے لیے عدالتی طریق کار بدلنے کی اشد ضرورت

ہمارے ملک میں قومی سطح سے لے کر عوامی سطح تک بدعنوانی لوٹ کھسوٹ اور بے انصافی کا دور دورہ ہے جس سے معاشرہ کے محروم طبقات بے بس ولاچار ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ طبقات خود سڑکوں پر آجائیں یا کوئی ملکی وغیر ملکی طالع آزما اپنے مخصوص مقاصد کے لئے ان کو احتجاجی سیاست کی راہ پر لگا دے جس سے محرومیّت، بے چینی، محنت کی ناقدری، عزتوں کی پامالی اور بھوک سے ستائے یہ لوگ باہر آکر حکمرانوں کو تبدیل کردیں اور 'نئے استحصالی' دور کا آغاز ہوجائے ـــــ اصل ضرورت پاکستان کے عوام کو بلا قیمت انصاف کی فراہمی ہے۔ یہ انصاف ـــــ صرف قانونی ہی نہیں معاشی اور معاشرتی انصاف بھی ہونا چاہئے۔

ہمارے نزدیک چند سال قبل عزت مآب چیف جسٹس (ر) جناب افتخار محمد چوہدری کی معزولی اور پھر بحالی سے یہ اُمید ہو چلی تھی کہ ملک میں ابھی تک جو بھی قانون ہے اسی کے تحت ہی عوام کی کوئی حقیقی دلجوئی (RELIEF) ہوجائے۔ 2009ء میں سابق چیف جسٹس صاحب کی بحالی کے بعد 2009ء کو انصاف کی فراہمی کا سال قرار دیا گیا تھا ـــــ مگر اعلیٰ عدلیہ کی دن رات کی محنت کے باوجود جو کچھ 2009ء میں برآمد ہوا کہ NRO کو کالعدم قرار دے دیا گیا مگر ان

آٹھ ہزار BENEFICIARIES کے خلاف کوئی کارروائی اور اقدام نہ ہوسکا۔ عدالتوں میں جاری مقدمات کے بارے میں تبصرے میڈیا کے ذریعے عوام تک پہنچتے رہتے ہیں کہ کس طرح انصاف کا خون کیا جاتا ہے NAB کس طرح تفتیش کو آگے بڑھاتا ہے مجرم کس طرح بری کر دیے جاتے ہیں۔ تفتیشی کس طرح قتل کر دیے جاتے ہیں۔ جرم کے گواہ غائب یا قتل ہوتے ہیں یا ملک میں باہر چلے جاتے ہیں یا ایوانِ اقتدار میں چھپ جاتے ہیں۔ 2009ء میں بھی ہم نے ان صفحات میں '2009ء انصاف کی فراہمی کا سال' کے عنوان سے اپنی معروضات پیش کی تھیں جس میں ایک مختصر پیرایہ بھی تھا:

''ہماری ناقص رائے میں انصاف کی فراہمی کا سال 2009ء کے اختتام پر جو بھی REVIEW ہوگا اور TARGETS کے حصول کا میزانیہ بنے گا تو ـــــ اَہداف کے حاصل نہ کر سکنے کی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ ہمارے ملک کے قانون اور عدالتی طریق کار (بشمول پولیس کا نظامِ تفتیش) سامنے آئے گی لہٰذا اس وقت ملکی سطح پر اجتماعی احساس اور شعور اُبھرے گا کہ اسلامی قانون کو نافذ کیا جائے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس احساس کو اگر کسی قائمہ کمیٹی یا کمیشن کے حوالے کر دیا جائے تو ایک طویل کام ہے۔ حکومت ختم ہو جائے گی نئی حکومت بنے گی اس کی ترجیحات اور ہوں گی اور بین الاقوامی مداخلت سے اس کام کو معلق کر دیا جائے۔ نئی کمیٹی بنے گی ـــــ حتیٰ کہ کام شروع کرنے لگیں گے کہ حکومت بدل جائے گی لہٰذا ـــــ نتیجہ یہ ہے کہ کام نہیں ہوگا۔'' (ماہنامہ حکمت بالغہ، جولائی 2009ء)

آج ہم 2014ء میں ہیں، عزت مآب چیف جسٹس صاحب ریٹائرڈ ہو گئے ہیں مگر ـــــ 'انصاف کی فراہمی' کا معاملہ روزِ اوّل جیسا ہی ہے اس کی ایک وجہ تو قانون کی خامیاں ہیں، جو اپنی جگہ بہت اہم ہیں مگر قانون جیسا بھی ہے ـــــ اس قانون کے عدالتی طریق کار CRPC اور CPC ـــــ میں درج 'طریق کار' اصل رکاوٹ ہیں۔

ہماری گزارش ہے کہ ملک کا ہر خواہ طبقہ، علماء، دینی تحریکیں اور بالخصوص قانون دان حضرات 'انصاف کی فراہمی' کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ 'عدالتی طریق کار' کے اِن

اُصولوں کو بدلنے کی ہمت کریں۔ مطالبہ کریں، منصوبہ بندی کریں، کمیشن بنے، صوبائی یا قومی سطح پر 'بار' کے معزز ارکان تعاون کریں ـــــ تو کسی 'وقوعہ' کے بعد FIR، تفتیش، عدالتی کارروائی، پیشیاں، مجرموں کی تحویل وحفاظت سمیت تمام مراحل کے موجودہ عدالتی طریق کار کو وکلاء کے بےلوث مثبت جذبہ کے ذریعے بدل کر انصاف دوست اور عوام دوست بنایا جاسکتا ہے۔ اس وقت یہ CRPC اور CPC میں درج طریق کار مجرموں کی پناہ گاہ اور جرائم کی افزائش کا ذریعہ ہے۔ اس سلسلے میں ہم اپنے احباب کو زبانی تو پہلے بھی توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ ان صفحات میں اس اشاعت کے ذریعے ایک وسیع حلقے تک بات پہنچا رہے ہیں شاید کہ کوئی 'دیکھنے والی آنکھ' دیکھ لے اور 'سننے والا کان' سن لے اور اس سمت میں بات کو مؤثر انداز میں آگے بڑھا کر ملک میں کسی بڑی افراتفری سے پہلے 'انصاف کا دور' لایا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو ہمارے لئے آسان بنادے۔ آمین

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْل مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر (ﷺ) آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے (اور) تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

نبیوں والے کام!

مولانا زاھد الراشدی

(بشکریہ روزنامہ اسلام، 24 نومبر 2012ء)

احادیث مبارکہ میں قربِ قیامت میں عالمی سطح پر اسلام کے غلبے کا تذکرہ آیا ہے۔ جس کو دینی مآخذ کی روشنی میں نظامِ خلافت کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ پاکستان میں نظامِ خلافت کے قیام کے لیے کچھ جماعتیں اور مخلص افراد سرگرم ہیں تاہم مجموعی طور پر علماء کے حلقے سے نظامِ خلافت کے قیام کا 'نعرہ' کم ہی سنائی دیتا ہے۔ ذیل میں ہم ایک اُمید افزا اور 'روح افزا' تحریر دے رہے ہیں جو دیوبند کے حلقے میں معروف عالم دین حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کی ہے۔ (ادارہ)

جامع مسجد حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ شیرانوالہ گیٹ لاہور میں 10 رنومبر اتوار کو بعد نمازِ مغرب شاہ ولی اللہ سوسائٹی اور عالمی انجمن خدام الدین کی طرف سے مولانا میاں محمد اجمل قادری کی زیر صدارت ''ختم نبوت کانفرنس'' ہوئی جس سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہ نما مولانا اللہ وسایا، جے یو آئی (س) کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالرؤف فاروقی اور مولانا احمد علی انور کے علاوہ راقم الحروف نے بھی خطاب کیا۔ اس موقع پر پیش کی گئی گزارشات کا خلاصہ نذرِ قارئین ہے:

بعد الحمد والصلوٰۃ! شیرانوالہ لاہور میں حاضری میرے لئے ہمیشہ باعث سعادت رہی ہے۔ اس مرکز کے ساتھ اپنی نسبت کو تازہ رکھنے کے لئے کبھی کبھی حاضر ہوتا ہوں، لیکن اس دفعہ یہ حاضری میرے لئے دہری خوشی کا باعث ہے۔ اس لئے کہ آج میں عزیز محترم صاحبزادہ مولانا احمد علی انور کی دعوت پر آیا ہوں، جو میرے شیخ حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور محترم میاں محمد اجمل قادری صاحب کے فرزند ہیں۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی

چوتھی پشت کو اپنے پردادا کے عظیم مشن کے لئے متحرک دیکھ کر مجھے جو خوشی ہوئی اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائیں اور اس مرکز حق کو ہمیشہ آباد رکھیں۔ آمین

مجھ سے پہلے مولانا اللہ وسایا اور مولانا عبدالرؤف فاروقی نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور اس کی جدوجہد کے تقاضوں پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، مجھے ان کے ارشادات سے اتفاق ہے اور تکرار کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، اس لئے شیرانوالہ گیٹ اور شاہ ولی اللہ سوسائٹی کی مناسبت کو سامنے رکھتے ہوئے عقیدہ ختم نبوت کے ایک قدرے مختلف پہلو پر کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ہمارے تبلیغی بھائی یہ کہتے ہیں اور بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ جناب نبی اکرم ﷺ چونکہ پوری نسل انسانی کے لئے نبی اور رسول بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں، اس لئے نسل انسانی کے ہر فرد تک ان کی دعوت کا پہنچنا ضروری ہے اور جناب نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے یہ ذمہ داری پوری اُمت کی طرف منتقل ہوگئی ہے، اس لئے کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور فرشتے بھی یہ کام نہیں کریں گے۔ ظاہر بات ہے کہ موجودہ حالات میں نسل انسانی کی سات ارب افراد پر مشتمل آبادی میں سوا پانچ ارب کے لگ بھگ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا، ان تک قرآن کریم پہنچانا اور انہیں جناب نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات سے متعارف کرانا مجموعی طور پر پونے دو ارب مسلمانوں کی ہی ذمہ داری بنتی ہے۔

یہ بات بالکل درست ہے اور میں خود بھی یہ بات اکثر کیا کرتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ اس پہلو پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ بحیثیت نبی اور رسول جناب نبی اکرم ﷺ کی دیگر ذمہ داریاں بھی اسی طرح اُمت کو منتقل ہوگئی ہیں جس طرح دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری امت کے ذمے آگئی ہے۔ ان ذمے داریوں میں سے ایک اہم ذمے داری امت مسلمہ کی اجتماعی قیادت اور مسلم سوسائٹی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول ﷺ کی تعلیمات واحکامات کا عملی نفاذ ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت نہیں دی بلکہ اس دعوت کے ذریعے کلمہ پڑھنے والوں کا باہمی نظم قائم کیا ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین کے نفاذ کا اہتمام کیا ہے اور ان کے ملّی وقومی مفادات کا تحفظ بھی کیا ہے۔ اس

لئے یہ سارے کام بھی نبوی کام ہیں جو نبوت کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد امت کو منتقل ہو گئے ہیں۔ قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ اس امر کا تذکرہ موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو جب بنی اسرائیل کی طرف رسول اور نبی بنا کر بھیجا گیا تو انہیں فرعون کی طرف اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو غلامی کے عذاب میں مبتلا نہ رکھے اور انہیں آزادی دے تا کہ وہ اپنے وطن کی طرف واپس جا سکیں۔

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات گنوانا شروع کر دیے کہ تم نے ہمارے گھر میں پرورش پائی ہے اور ہم نے تمہیں پالا پوسا۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تم مجھ پر کونسی نعمت کا احسان جتلا رہے ہو، یہی کہ تم نے میری قوم بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟ اس طرح بنی اسرائیل کی آزادی کی جدو جہد کی قیادت اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس کے دو پیغمبروں نے کی اور انہی کی قیادت میں بنی اسرائیل نے قلزم میں فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کے بعد آزادی حاصل کی۔

فرعون سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی دوسری منزل بیت المقدس اور فلسطین کی طرف ان کی واپسی تھی، جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جہاد کی دعوت دی مگر اس کے لئے وہ تیار نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی سزا کے طور پر بنی اسرائیل صحرائے سینا میں چالیس سال تک بھٹکتے رہے۔ اس کے بعد بیت المقدس کا جہاد اور اس میں بنی اسرائیل کی دوبارہ آبادی بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں ہوئی۔ اس کے کچھ عرصے بعد جب بنی اسرائیل پر جالوت نامی ظالم بادشاہ نے تسلط جما لیا اور اس کے ظلم و جبر کے سامنے بنی اسرائیل بے بس ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت سموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کریں تا کہ وہ اس کی قیادت میں ظالم بادشاہ جالوت کے خلاف جہاد کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت طالوت کو بادشاہ مقرر کیا جن کی قیادت میں بنی اسرائیل نے جالوت کے خلاف جنگ لڑ کر اسے شکست دی اور اس کے نتیجے میں

اسرائیلی ریاست قائم ہوئی۔ پھر اسی ریاست میں جب جالوت بادشاہ کو میدان جنگ میں قتل کرنے والے حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا ہے، اس لئے لوگوں پر عدل وانصاف کے مطابق حکومت کرنا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آزادی، جہاد، خلافت، حکومت اور سیاسی قیادت کے یہ سارے کام بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے کام ہیں اور نبوی فرائض کا حصہ ہیں اور یہ سارے واقعات جو میں نے عرض کیے قرآن کریم میں ہی مختلف مقامات پر تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں، جبکہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال کو یوں بیان فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں سیاسی قیادت اور حکومت انبیائے کرام علیہم السلام کے ہاتھ میں تھی، ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا لیکن چونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے میرے بعد یہ کام خلفاء کے ذمے ہوگا اور امت کی ذمہ داری ہوگی کہ ان خلفاء کی اطاعت کرے۔ چنانچہ امت کی قیادت خلفاء کی ذمہ داری اور خلافت کا قیام امت کی ذمہ داری قرار پا گیا۔

گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح دعوت وتبلیغ کا کام نبوی کام ہے جو ختم نبوت کی وجہ سے امت کو منتقل ہوا ہے، اسی طرح امت کا اجتماعی نظم قائم کرنا اور خلافت وجہاد کا اہتمام کرنا بھی پیغمبروں کا کام ہے جو نبوت کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے باعث امت کو منتقل ہو گیا ہے اور یہ امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ میں خلافت کا نظم قائم کرے اور قرآن وسنت کے احکام وقوانین کے مسلم سوسائٹی میں نفاذ کا اہتمام کرے، اس لئے ہمیں اپنی اس ذمہ داری کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے اور اسے پورا کرنے کے لئے امت کو بیدار کرتے ہوئے خلافت کے قیام کے لئے محنت کرنی چاہئے۔

مدارسِ دینیہ میں
جدید ذرائع ابلاغ کی تعلیم وتربیت

حافظ مختار احمد گوندل

تعلیم وتربیت کے حوالہ سے تین اہم پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے: تعلّم، تحقیق اور تعلیم وتربیت۔ مدارس دینیہ اگرچہ اپنے شعبوں میں تعلیم وتربیت کے ان عناصر ثلاثہ کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں لیکن جدت، تحرک اور تسخیر کائنات کے جدید ذرائع ایسے عناوین کے اعتبار سے اُن کی تعلیم وتربیت تشنگی کا شکار ہے اور اس کے پس منظر میں ''تصورِ دنیاداری'' کا ایک فلسفہ کارفرما ہے جس کی وجہ سے ان کے ہاں ان جدید ذرائع تعلیم وابلاغ کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس دینیہ کا نصاب اور تربیتی اُسلوب صرف کسب کمال یعنی اعلائے کلمۃ اللہ پر موقوف ہے۔ کسب رزق کے حوالے سے ان کے نصابات میں فقدان ہے۔ بعثت انبیاء علیہم السلام کا مقصود ومنتہا تو انسانی معاشرہ کی ہمہ جہت صلاح وفلاح، تعلیم کتاب وحکمت اور تربیت وتزکیہ ہے جسے قرآن مجید میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے اور یقیناً اس انبیائی مشن کی وارث وہ دانش گاہیں ہیں جہاں دین ودنیا کا حسین امتزاج ہے، چراغِ ہدایت فروزاں ہیں، قلب ونظر کی تطہیر اور اعلائے کلمۃ اللہ کی تحریکوں کے ساتھ ساتھ عصری علوم وفنون کی نشأۃ ثانیہ کی تحریکیں بھی جنم لے رہی ہیں۔ یہی وہ کارگاہِ حیات ہیں جہاں باطل قوتوں سے نبرد آزما ہونے والے کردار وگفتار میں یکتا، اسلام کے داعی اور سپاہی تیار ہوتے ہیں۔ جن سے تلقین غزالی کی مسندیں بھی آراستہ ہیں نیز کفر کو لرزہ براندام کرنے والی تکبیر مسلسل اور تسبیح ومناجات کی روشن مشعلیں آج کے یہی دینی مدارس ہیں جن

سے ملت اسلامیہ کا مستقبل وابستہ ہے جو علومِ نبوت کے وارث وامین اور نائب وترجمان ہیں۔ جہاں نہ صرف علوم کی حکمرانی بلکہ قرآن وسنت کی عملی ترجمانی بھی ہے۔ جہاں کا علمی وتربیتی اور روحانی واخلاقی ماحول مہمانانِ رسول ﷺ کے لیے آج بھی چشم براہ ہے جنہیں آج بھی اُمت مسلمہ اور اسلام کے مابین ایک مضبوط پل کی حیثیت حاصل ہے۔ شخصی آداب سے لے کر سیاسی و اجتماعی معاملات تک حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ اُن کے وسیع نظامِ ہدایت سے خارج نہیں۔

اسلام ایک آفاقی دین ہے لہٰذا اس دین کی تدریس اور درس گاہیں بھی عالمگیریت کی حامل ہیں۔ بلاشبہ دینی مدارس عصر حاضر کے شیریں بیاں خطیبوں اور مناظرے، مجادلے اور مباحثے یعنی گفتار کے میدان کے داعیوں کی تربیت ونشوونما میں بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں کیونکہ یہی وہ طبقہ ہے جس نے صرف اور صرف رضائے الٰہی کی خاطر خود کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے اور یہی علماء عامۃ الناس کے حقیقی مراجع بن چکے ہیں۔ دین حنیف کی اشاعت اور معاشرے میں اسلامی روایات کے فروغ کے لیے ہی لاکھوں بچے دینی مدارس کا رُخ کرتے ہیں۔ آج کے دور میں دینی تعلیم کی طرف راغب ہونا کوئی آسان بات نہیں۔ حکومتوں کے سفّاک رویّوں اور مخالفانہ پروپیگنڈے کی بھرمار کے باوجود آج بھی ایسے افراد کی کمی نہیں کہ جو دنیاوی عیش وعشرت کو ٹھکرا کر منبر ومحراب کے وارث بننے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ دینی مدارس کا رخ کرنے والوں کا مقصد رضائے الٰہی کی خاطر اپنی صلاحیتوں کو وقف کرنا ہے۔ گو آج ہمارے مدارس دین کے قلعے ہیں، خیر کے حامل ہیں، لیکن ان خیر کی مشعلوں کو مغربی تند وتیز آندھیوں کا سامنا بھی ہے۔ اور اس اندوہ ناک حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک ایسا جدّت پرست طبقہ بھی وجود میں آچکا ہے جو جہالت قدیمہ کا حلقہ بگوش اور تہذیب مغرب کا دلدادہ ہے۔ مذہب کو محض عقلیت پسندی کی نگاہ سے ہی دیکھنے کا آرزومند ہے بلکہ کائنات کے ہر گل وخار کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتا ہے اور دنیا کو آباد رکھنے کے لیے عقبیٰ کی حقیقتوں سے گریزاں ہے۔ شہواتِ نفسانیہ کو اپنا نصب العین بنا لینے والے اس طبقہ کو موجودہ دور میں دہریت پسند سیکولر عناصر کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جس کی ہر فکر فکر فاسد، ہر کار کارِ بے سود اور ہر بات لائق عدمِ التفات ہے لیکن اُس طبقہ کے ہاں اسے تحریک تنویر (ENLIGHTENMENT) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ طبقہ بزبان کلام الٰہی ''حیوان محض''

ہے۔ بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ ایسے طبقہ کی وجہ تخلیق موجودہ دور کا وہ میڈیا ہے جس پر 95 فیصد سیکولر عناصر کا ایک ایسا گروہ قابض ہے جو رسائل و جرائد، اخبارات، ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا سمیت تمام ذرائع ابلاغ کے ذریعے امت مسلمہ کی نظریاتی و اخلاقی اقدار پر حملہ آور ہے اور مغربی افکار سے لیس یہ طبقہ آزادی کے نام پر الحاد اور دہریت کا پرچار کر رہا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی طبقہ کی نشاندہی ان الفاظ میں کی:

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

یہودی وثائق کا بارہواں وثیقہ جس میں یہ واضح لائحہ عمل دیا گیا ہے کہ اخبارات و جرائد کا ملاً ہمارے اشارۂ ابرو پر کام کریں گے اور غیر یہود ہمارے فراہم کردہ رنگین چشموں سے ہی گرد و پیش کی دنیا کو دیکھیں گے اور عملاً وہی کریں گے جو ہم چاہیں گے۔ عہد حاضر کا میڈیا اسی کی تکمیل میں سرگرم عمل ہے اور ہماری معاشرتی، سماجی اور دینی اقدار کو آہستہ آہستہ ختم کر رہا ہے۔ آج کا میڈیا یہودی لابی کا آلہ کار بن چکا ہے۔ ہر فرد شعوری یا لاشعوری طور پر پنجۂ یہود کی گرفت میں ہے۔ اسلامی معاشرہ میں الحاد کے اس زہر ہلاہل کو مغربی 'روشن خیالی' کی آڑ میں خفیہ انداز میں پھیلایا جا رہا ہے۔ یہ غیر محسوس مشنری کام جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو تو تقریباً مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔

حالات کی اس اَلم ناک تصویر کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں کہ کار پردازانِ مدارس دینیہ نے جدید ذرائع ابلاغ کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کو کامل طور پر بروئے کار نہ لا کر اس جدت پسند طبقہ کو پنپنے کا موقع فراہم کیا، اگر علماء اس میڈیا وار کو جیتنے کے لیے میدان میں اُترتے اور مغرب کے مذموم عزائم کا مقابلہ کرنے کے لیے جدید ذرائع ابلاغ پر اپنا اقتدار و اختیار قائم کرتے، میڈیا ٹیکنالوجی کو اسلام کے فروغ کے لیے استعمال کرتے اور دعوت و تبلیغ میں حکمت اور موعظہ حسنہ کا قرآنی اُصول پیش نظر رکھتے ہوئے جدید ذرائع ابلاغ استعمال کرتے تو آج بشارت نبوی ﷺ کے مطابق چہار سُو اسلام کا غلبہ ہوتا اور اسلام کا حقیقی پیغام، اسلامی تعلیم و تربیت اور شعور و آگہی اسی میڈیا کے ذریعے گھر گھر پہنچ چکی ہوتی۔ یہی وہ روح فرسا تصویر ہے جس کے بارے

میں حضرت علامہ اقبال نے بھی فرمایا تھا:

اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

ابلاغ ہی تو وہ اُلوہی مشن ہے جو ورثۂ انبیاء ہے۔ اسلامی نظریۂ ابلاغ قرآن و حدیث سے ماخوذ و مستنبط ہے۔ لہٰذا ان ذرائع ابلاغ کو اگر اسلامی نظریہ کے حامل افراد کنٹرول کریں تو معاشرہ میں توازن و اعتدال برقرار رہے گا اور اسلام کے منافی پروگرام میڈیا پر نشر نہ ہوں گے اور وہ تخریبی عوامل جو معاشرہ کی موجودہ شکست وریخت میں کارفرما ہیں ان کی بیخ کنی ہو جائے گی بلکہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام الناس تک سچی خبر پہنچا کر نیکی و تقویٰ کے عناصر کو معاشرے کی رگ و پے میں اُتار دیں گے۔ اسلام میں خبر کا مقام اتنا بلند ہے کہ اسی حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو مخبر صادق کہا گیا ہے۔ اسلام ایک آفاقی دین ہے۔ اس لیے علماء جو حقیقی دین حنیف کے وارث ہیں وہی اس میڈیا کے ذریعہ لوگوں کو پیغام الٰہی سے روشناس کروا سکتے ہیں۔ چونکہ اس دین کے وارثوں کی ذمہ داریاں بھی عالمگیر ہیں۔ لہٰذا ملت اسلامیہ کے ترجمان ان اداروں کو یہ پیغام دینا بھی ضروری ہے۔ ع تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

راقم السطور کو چونکہ خود جھنگ کی معروف دینی درسگاہ مدرسہ ریاض الاسلام کے تربیت یافتہ ہونے اور مدرسہ مظاہر العلوم آر-اے بازار، لاہور کے بعد اب جامعہ فاروقیہ، Q بلاک، ماڈل ٹاؤن لاہور کی خطابت و سرپرستی کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ لہٰذا مدارسِ دینیہ اور اربابِ مدارس کی بہتری اور اُنہیں بامِ عروج پر دیکھنے کی دائمی آرزو قلب ونظر میں موجزن ہے۔ میڈیا ٹیکنالوجی کے حوالے سے دینی حلقوں اور فضلائے مدارسِ دینیہ کے کچھ تحفظات بھی ہیں جن کا تذکرہ نہایت اہم ہے جس کی وجہ سے اب تک دینی مدارس کے فضلاء کو سخت نقصان بھی پہنچا ہے۔ مدارس میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ کوئی عالم، جس طرح کسی دوسرے کام دھندے میں لگ جائے تو علوم دینیہ کے اشتغال سے محروم رہ جاتا ہے یعنی ''ہر کہ درکانِ نمک رفت، نمک شُد'' والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ حضرت علامہ اقبال نے فرمایا تھا:

؎ اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیرِ اُمم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

تسخیر ارض وسماء مؤمن کی شان اور ﴿کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس﴾ مؤمن کا اعزاز ہے۔ ابلاغ تو درحقیقت ان لامتناہی معلومات کے بیش بہا خزانوں کے بحرِ ذخار میں اُتر کر ان سے موتیوں کا انتخاب کر کے انہیں عوام الناس تک پہنچانے کا نام ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ عمیق مطالعہ کیے بغیر اور عصرِ حاضر کی تازہ معلومات سے آراستہ ہوئے بغیر کوئی شہ پارہ تخلیق کیا جاسکتا ہو؟ ظاہر ہے ایسا ہرگز ممکن نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میڈیا، وادیِ علم کی طرف جانے والی شاہراہ اور گنج ہائے گراں مایہ کی شاہ کلید ہے۔ میڈیا سچائی، حق گوئی اور دادرسی کی خصوصیّات کا حامل رہے تو کارِ پیغمبری ہے اور پگڑی اچھالنے یا بلیک میل کرنے کے لیے استعمال ہو تو یہ شیطنت اور ابلیسیت بن جاتی ہے۔ یہ میڈیا وار کا دور ہے، جس میں جنگیں بھی میڈیا کے ذریعے لڑی جارہی ہیں۔ حالیہ چند برسوں میں میڈیا کی حیران کن ترقی، وسعت و ہمہ گیری نے دنیا کو ایک ''گلوبل ولیج'' (GLOBAL VILLAGE) بنا کر رکھ دیا ہے۔ میڈیا ٹیکنالوجی سے آراستہ ہونے کے بعد تو انسان دین، علم دین اور اہل دین کی خدمت مزید بہتر اور منظّم انداز میں کرسکتا ہے۔ اس کی مقبولیّت اور نافعیّت میں کس قدر اضافہ ہوسکتا ہے۔ اگر مدارس دینیہ کے فضلاء میڈیا سے پہلوتہی کریں گے تو وہ نہ صرف اپنی آواز بلکہ خود کو بھی گمنام وادیوں میں پائیں گے۔ ہجرت نبوی کے بعد سیّد الانبیاء ﷺ نے اہل مدینہ اور امت مسلمہ کو یہود و نصاریٰ کی دست برد سے محفوظ رکھا آج اربابِ دینی مدارس کو بھی اُسی حکمت نبوی ﷺ کی روشنی میں عصر حاضر کے میڈیا کو یہودی لابی کی گرفت سے آزاد کروانا ہوگا۔ میڈیا میں جو چند دینی شخصیات ہیں ان کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر ہے یہی وجہ ہے کہ انکی آواز صدا بصحرا ثابت ہورہی ہے لیکن جو چینل کامل طور پر دینی دعوت کے لیے استعمال ہورہے ہیں انہیں عوام کی طرف سے کامل پذیرائی نصیب ہورہی ہے۔ یہ حقیقت اس بات کی غمازّ ہے کہ اگر تمام میڈیا مشرف باسلام ہو جائے تو یہ معاشرہ جنت نظیر

ہوجائے۔ گو INFORMATION TECHNOLOGY پر آج غیر مسلم قوتیں مسلّط ہیں اور ذرائع ابلاغ انہی کے دست قدرت میں ہیں لیکن مستقبل اہل اسلام کا ہے اور عنقریب وہ دور آنیوالا ہے جب یہ ٹیکنالوجی مسلمانوں کی دسترس میں ہوگی۔ علّوم کے ان سرچشموں پر اہل اسلام کا اختیار ہوگا اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا وعدۂ الٰہی پورا ہوگا۔

عصر حاضر میں تنظیمیں اور افراد میڈیا کو اپنے نظریات کے فروغ اور بعض اوقات جنگی مقاصد کے لیے بھی استعمال کر رہے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں میڈیا کو باقاعدہ منصوبہ بندی سے استعمال کرنے کا آغاز تو طویل عرصہ سے جاری ہے۔ تاہم ہمارے ہاں الیکٹرانک میڈیا اور انٹرنیٹ کی آمد کو ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں۔ یہ ایک نیا چیلنج ہے جس نے دینی حلقوں کو بھی متاثر کیا ہے۔ لیکن دینی مدارس ابھی تک میڈیا کے ماحول اور اس کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے سے اس لیے بھی قاصر ہیں کہ میڈیا ٹیکنالوجی کے بارے میں جس اجتہاد کی ضرورت تھی وہ ابھی تک تشنہ ہے۔ مثال کے طور تصویر خصوصاً (DIGITIZED) کے بارے میں، ٹی وی، وغیرہ کے بارے میں علماء میں متنازعہ اور متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ تاہم میڈیا ٹیکنالوجی اور جدید علوم کے حصول کے بارے میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ عہد حاضر میں پیپر لیس (PAPERLESS) سوسائٹی وجود میں آچکی ہے اور یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اگر میڈیا ٹیکنالوجی کو دینی علوم رکھنے والے افراد کامل مہارت سے استعمال کریں تو اسے دعوت وتبلیغ دین کا مؤثر ذریعہ پائیں گے۔ میڈیا ٹیکنالوجی کو سمجھنے کی مثال ایک ہوائی جہاز سے بھی دی جاسکتی ہے جسے آپ یورپ کے عشرت کدوں میں بھی لے جاسکتے ہیں اور مکہ مکرمہ میں حج کے لیے بھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ نے کونسی سمت کا انتخاب کیا ہے۔

میڈیا ٹیکنالوجی بھی دیگر آلات کی طرح چند آلات ہیں جن کو پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر آپ انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کریں گے تو یہ آپ کا نظریہ اور پیغام چہار سو پھیلا دے گا۔ یہ تو وسیع پیمانے پر دعوت دین کا تیز ترین طریقہ ہے۔ یورپ وامریکہ میں لوگ اس کے ذریعے مسلمان ہو رہے ہیں جن تک پہنچنا شاید ویسے ممکن ہی نہ ہوتا۔ مدارس اور ان کے اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ مغربی میڈیا کی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے جامع پالیسی تشکیل

دیں، آنے والے چیلنجز کا بھرپور ادراک کریں اور ان کے حل کے لیے اپنی کوششیں تیز کریں اپنے تعلیمی نصابات پر نظر ثانی کریں۔ مدارس کا نصاب تعلیم ایسا ہو جو طلبا کے لیے معاشرے میں ایڈجسٹ (ADJUST) ہونے کی صلاحیّت پیدا کرے اور دین کے مسلمہ بنیادی اصولوں یعنی توحید، ختم نبوت، عظمت وتقدیس رسالت، ناموسِ صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم پر اتحاد واتفاق کی بنیاد پر ہو۔ انسانیت کے احترام کا جو سبق قرآن وسنت نے دیا ہے، اسے بنیاد بنا کر وفاق ہائے مدارس دینیہ کو دوسرے بہت سے مضامین کی طرح جدید ذرائع ابلاغ کے بنیادی علوم کو بھی مدارس دینیہ کے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ جو کالجوں اور جامعات کے نصاب کی طرز پر تدریجی بنیادوں پر ہو، تاکہ میڈیا ٹیکنالوجی کے ایسے ماہرین تیار ہوں جو اسلام پر اعتراضات اور امریکا ویورپ کے اسلام مخالف پروپیگنڈے کا تعمیری مثبت ومسکت جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اپنی ویب سائٹس بنا سکتے ہوں، مخرب اخلاق اور اسلام دشمن سوشل میڈیا کی تطہیر کی اہلیت رکھتے ہوں، نئے اسلامی چینل قائم کرنے کی استعداد کے حامل ہوں۔ غرض یہ کہ میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے علوم سے شناور ہوں۔ ایسے میڈیا تھنک ٹینک (MEDIA THINKTANKS) کا قیام عمل میں لاسکیں جو مغرب کا مقابلہ کرسکیں تاکہ میڈیا سے دجالیت کا خاتمہ ہو اور حالات وواقعات کی اصل تصویر دنیا کے سامنے لائی جاسکے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی مدارس میں میڈیا کے حوالے سے مدارس کے اساتذہ کے لئے ورکشاپس (WORK SHOPS) اور سیمینارز (SEMINARS) کا اہتمام کیا جائے جہاں انہیں جدید ذرائع ابلاغ کے چیلنجوں سے آگاہ کیا جائے۔ فنی تربیتی ورکشاپس کا انعقاد دراصل تعلیم مسلسل (CONTINUING EDUCATION) ہے۔ جو حکومتی اداروں مثلاً NIPA وغیرہ میں تو حکومتی ملازمین کے لیے جاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض محکموں میں تو اگلے گریڈ میں ترقی کے لیے لازمی گردانی جاتی ہے لیکن یہ ابھی تک دینی مدارس کے نظام میں عنقاء ہے۔ عصری تقاضوں کے مطابق تمام وفاق ہائے مدارس اپنے میڈیا ایڈوائزروں، شعبہ ہائے تصنیف وتالیف اور نشر واشاعت کے ذمہ داروں کے لیے وسائل کی فراہمی کا اہتمام کریں اور (REFRESHER COURSES) کے ذریعے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ موجودہ میڈیا تک

تدریجاً وسیع کرنے کے مواقع پیدا کریں۔ تاکہ ایسے مخلص اور بے لوث طبقے کو ابلاغیات کے جدید اصول وضوابط سے آگاہی حاصل ہو۔ جنہیں وہ استعمال کر کے دعوت دین کے کام کو مزید مؤثر بنا سکیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں تو مہد سے لحد تک تعلیم وتربیت کے اسلامی اصول پر پالیسیاں بن رہی ہیں مثلاً میعادی سندات کا اجراء خصوصاً سائنسی مضامین میں یعنی پانچ سال یا دس سال کے لیے وہ سند کارآمد ہوگی یا اس سند پر مندرج متن دس سال تک قائم رہے گا اور پھر از خود ختم ہو جائے گا اور نئی سند کے لیے عصری جدید تحقیقات کے علوم سے آشنائی ضروری ہوگی اسی طرح ان علوم کے اساتذہ کی بھی مسلسل تربیت ان کے نصاب کا حصہ ہے۔

بعینہٖ تعلیم مسلسل کے اس فلسفہ کو مدارس دینیہ بھی اپنا کر تعلیم کے جدید اور حقیقی اسلامی تصورات (اطلبوا العلم من المهد الى اللحد) سے اپنے نظامِ تعلیم کو جدید خطوط پر استوار کرتے ہوئے اپنے فضلاء کی مسلسل تربیت کی فضاء پیدا کریں۔ مثلاً افتاء کورسز، تقابل ادیان اور خطابت و بلاغت کے عصری انداز اواطوار وغیرہ ایسے موضوعات پر ریفرشر کورسز باقاعدگی سے کروائیں جیسا کہ سالانہ جلسوں، اختتام بخاری شریف و کتب احادیث کی تقریبات وغیرہ کی صورت میں ہمارے اسلاف کا معمول رہا ہے۔ رحمت عالم ﷺ نے حفاظِ قرآن کے لیے قرآن کی تحفیظ اور مسلسل تلاوت وتفہیم کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنَ امْرِئٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَجْذَمَ (سنن ابی داؤد، بَابُ التَّشْدِيدِ فِيمَنْ حَفِظَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ)''

''جو شخص قرآن پاک پڑھتا ہے پھر اُس کو بھلا دیتا ہے وہ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں اس حالت میں آئے گا کہ وہ کوڑھ کے مرض مبتلا ہوگا۔''

عالم اسلام میں تمام حفاظ کا رمضان المبارک میں دورہ قرآن سنت نبوی ﷺ اور اسی حدیث پاک کی عملی طور پر صدائے بازگشت ہے۔ تحفیظ القرآن کے اس سلسلہ میں جو مبارک کاوشیں مختلف سطح پر ہو رہی ہیں۔ ان میں چند مندرج ہیں۔ تمام اسلامی ممالک میں تحفیظ القرآن کے مدارس قائم ہیں۔ خصوصاً سعودی عرب اور مصر کی جامعہ ازہر کی اس سلسلہ میں نمایاں خدمات

ہیں۔ پاکستان میں حکومتی سطح پر خطہ جھنگ کے مائی ہیر اسٹیڈیم کو یہ اعزاز حاصل ہے جہاں وزیراعظم پاکستان نے حفاظ قرآن کے لیے کالجوں اور جامعات میں داخلہ کے میرٹ میں بیس اضافی نمبروں کا اعلان فرمایا جس پر تمام حکومتی تعلیمی اداروں میں آج تک عمل کیا جارہا ہے جامعاتِ پاکستان میں اس سلسلہ میں اپنی اپنی سطح پر تعلیم و حفظ قرآن کی حوصلہ افزاء پالیسیاں رو بہ عمل ہیں۔عصر حاضر میں عربی زبان وادب کی باکمال شخصیت اور مایہ ناز استاد موجودہ رئیس الجامعہ سرگودھا نے جامعہ کی اپنی پروڈکٹ ''خوش آب'' کے منافع کو جامعہ میں زیر تعلیم حفاظ کے لیے مختص کیا ہوا ہے۔ جامعہ پنجاب میں زیر تعلیم حفاظ کے لیے فیس معافی کی رعایت ہے۔اور جو بچے شعبہ مساجد جامعہ پنجاب میں قرآن پاک حفظ کرتے ہیں اُنہیں سند کے ساتھ ساتھ انعام سے بھی نوازا جاتا ہے۔

فنون کی تعلیم مسلسل کے حوالہ سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ عَلِمَ الرَّمْیَ، ثُمَّ تَرَکَهُ فَلَیْسَ مِنَّا أَوْ قَدْ عَصَی (صحیح مسلم، بَابُ فَضْلِ الرَّمْيِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ، وَذَمِّ مَنْ عَلِمَهُ ثُمَّ نَسِيَهُ)

''جس نے تیراندازی سیکھی پھر اُس کو چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں، یا اُس نے نافرمانی کی''

یعنی جو علم نسیاً منسیاً ہو جائے وہ کامل علم نہیں ہوا کرتا۔علم کی کاملیت حصولِ علم کے تسلسل میں ہے اس لیے کہ نئے حقائق ومعارف لمحہ بہ لمحہ وجود میں آرہے ہیں لہٰذا راسخون فی العلم کی علمی تگ ودو بھی مسلسل ہوا کرتی ہے۔مغرب کا فلسفۂ تعلیم اگر آج ان راہوں پر گامزن ہے تو معلم اعظم ﷺ کے فلسفہ تعلیم میں آج سے چودہ صدیاں قبل اس کی نشان دہی کر دی گئی تھی کہ مہد سے لحد تک علوم وفنون خصوصاً ابلاغ و جہاد ایسے میدانوں میں لمحہ بہ لمحہ نئی دریافتوں کی تسلسل کے ساتھ شناوری تو نہایت ضروری ہے۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ آج دینی حلقوں میں بھی 'آزاد میڈیا' کے حوالے سے ایسے مباحث، سیمینار اور محاضرات منعقد کرانے کا آغاز ہو گیا ہے جن میں میڈیا کی اخلاقی حدود وقیود، اس کی غیر اسلامی روش وغیرہ زیر بحث لائی جارہی ہے اور اسلام دشمن سرگرمیوں کے تدارک کے لیے تجاویز اور عملی اقدامات کیے جارہے ہیں۔(اربابِ قرآن اکیڈمی جھنگ میں بھی اس حوالے سے سہ روزہ سیمینار کا پروگرام زیر غور ہے جس کی تفصیل عنقریب حکمت بالغہ میں شائع کر دی جائے گی۔)

قرآن واحادیث میں علوم ''ابلاغ'' اور آلات و ذرائع ابلاغ کے مسلسل حصول کی تاکید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی ذمہ داری کے احساس کے پیش نظر ہر داعی ومبلغ کا اختتامی جملہ ''وما علینا اِلا البلٰغ'' رہا ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ کا علم بھی ارتقاء پذیر ہے اور آج نینو ٹیکنالوجی نے تو اس میں ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ اور یہ دقیقہ رس صدی (CENTURY OF) MINIATURIZATION ہے جس میں عمیق تحقیقی سرگرمیاں جاری ہیں۔ لہٰذا ابلاغی مہارتوں سے آشنائی دعوت دین کے لیے نہ صرف انتہائی ضروری بلکہ مفید تر ثابت ہوسکتی ہے اور دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ میڈیا کے بارے میں مکمل معلومات کی وجہ سے معاشرے میں بہتر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ میڈیا ٹیکنالوجی کو دعوت دین کے لیے استعمال کرنے کی تدابیر کریں۔ اگر مدارس کے طلبہ اور دینی شعور رکھنے والے افراد بھرپور طریقے سے میڈیا کو دینی تبلیغ کرنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیں تو یقیناً فحاشی وعریانی اور کفر والحاد کی یلغار کو بڑی حد تک روکا جاسکتا ہے اور دورِ حاضر کے میڈیا کو اسلامی ثقافت وروایات کا امین بھی بنایا جاسکتا ہے۔ آج ابلاغ عامہ کے مختلف نظریات اور اس شعبے میں ہونے والی تحقیقات کو آسان الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ میڈیا کے حقائق کو سمجھنے والے ہی مخالف پروپیگنڈے سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ سیکولر عناصر سے مقابلے کے لیے ہمارے ہراوّل دستے یعنی مدارس دینیہ کے طلبہ کو یہ ہنر سیکھنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ملکی اور غیر ملکی میڈیا سے استفادہ ہرگز بری چیز نہیں لیکن ایسا کرتے ہوئے احتیاط سے کام ضرور لینا چاہیے۔ ہمیں اپنے معاشرے کو اتحاد و یکجہتی کے رشتے میں پرونے اور اسلامی روایات کے فروغ کے لئے میڈیا کا سہارا چاہیے۔ اسی لئے میڈیا کے علم کو شامل نصاب کرنا ضروری ہے۔

ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں ہمیں اب معاشرہ(COMMUNITY) میں ایسے باشعور افراد کی ضرورت ہے جو بہتر طریقے سے الیکٹرانک میڈیا پر اپنی رائے دینے کے قابل ہوں۔ اگر ہمارے طلبہ مدارس میں میڈیا کے استعمال سے آگاہ ہوں گے تو ان کے لئے میڈیا کو اسلامی نہج پر چلانا دشوار نہیں ہوگا۔ کسی بھی عالمی یا ملکی مسئلہ پر اسلامی نقطہ نظر کو واضح کرنا آسان

ہوگا۔اسی طرح جدید ذرائع ابلاغ کے ماہرین کو بڑے مدارس میں بھرتی کرنے کی ضرورت ہے جو اہم ملکی یا غیر ملکی معاملات پر طلبہ کو معلومات فراہم کریں۔ میڈیا کے مندرجات اور ان کے اثرات سے آگاہ کریں۔طلبہ کو ملکی مسائل پر لکھنے اور اپنی رائے دینے کا ہنر سکھائیں۔ مدارسِ دینیہ اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو ایک دوسرے کے قریب لائیں۔ان کی تربیت اس انداز میں کریں کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا حریف سمجھنے کے بجائے اپنا دست بازو اور ممد و معاون سمجھیں تاکہ باہمی استفادہ کی راہیں مزید ہموار ہوں۔حالاتِ حاضرہ کے فہم وادراک کے بارے میں شعور بیدار ہو۔اس طرح طلبہ کو قومی و عالمی معاملات سے آگاہ رکھا جاسکتا ہے۔ایسے بڑے دینی مدارس کہ جہاں سینکڑوں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ہر مدرسہ اُن میں سے چند ذہین و فطین ایسے نوجوان ضرور سامنے لائیں جو میڈیا کا کافی حد تک علم رکھتے ہوں۔جدید ذرائع ابلاغ کے سنہری اصولوں سے آشنا ہوں۔انہیں اپنی بات کہنے کا ہنر آتا ہو، اور تقریر و تحریر میں شائستگی، وقار اور جاذبیت ہو اور وہ میڈیا پر اپنا بے دھڑک مؤقف بیان کرنے کے قابل ہوں تو یقیناً اپنے معاشرے کو میڈیا کی تباہ کاریوں سے محفوظ و مامون کیا جاسکتا ہے۔

مہ و انجم کے خالق کچھ نئے تارے فروزاں کر
کہ پھر آفاق میں بے رونقی معلوم ہوتی ہے

مذہبی فرقہ واریت:
اسباب، نقصانات اور اصلاحی تجاویز

فرید بن مسعود
(متعلّم قرآن فہمی سال دوم قرآن اکیڈمی لیبین آباد کراچی)

آج دنیا بھر میں مسلمان جن مصائب اور آفات کا شکار ہیں ان کا سب سے بڑا سبب آپس کا تفرقہ اور خانہ جنگی ہے۔ ورنہ عددی کثرت اور مادّی اسباب و وسائل کے اعتبار سے مسلمانوں کو سابقہ ادوار میں ایسی طاقت حاصل نہ تھی جیسی آج حاصل ہے۔ اگر آج اُمت مسلمہ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ اُمت کے بجائے ایک منتشر ہجوم نظر آتی ہے، جس میں دور دور تک کسی اتحاد کا امکان دکھائی نہیں دیتا۔ وہ بات بھی پرانی ہے کہ جب اس اُمت میں سیاسی، نسبی، نسلی، لسانی، وطنی اور طبقائی تفرقہ تھا۔ آج اس اُمت میں جو تفرقہ سب سے زیادہ اور سب سے خطرناک ہے وہ دین اسلام کے نام پر ہے جس میں ایک فرقہ اپنے مخالف فرقے پر سب وشتم، دشمنی، یہاں تک کہ قتل وغارت گری سے بھی گریز نہیں کرتا۔

ایک طرف تو اس خانہ جنگی کے ذریعے اُمت میں تباہی پھیل رہی ہے تو دوسری جانب ہر دوسری قوم ہم مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کر کے ہمارے وجود کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ غیر اخلاقی ثقافت اور معاشرت کی ہر طرف سے یلغار ہے۔ اپنی ہی حکومتوں کی جانب سے اسلام کے نام لیوا افراد پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اور ملحدانہ اقدامات کے ذریعے عقائد کو متزلزل کیا جا رہا ہے۔ مغربی تعلیم وتہذیب کے ذریعے مادہ پرستی کا دور دورہ ہے۔ سالانہ عیسائی، قادیانی اور ہندو مشنریز کے ذریعے سینکڑوں مرتد ہو رہے ہیں۔ دورِ جدید کے

فتنہ پرور لبرل، لیفٹسٹ اور سیکولر ذہن کے حامل افراد، عوام میں بڑے پیمانے پر دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں، ان کے علاوہ مارِ آستین گروہ جیسے منکرین حدیث وغیرہ اسلام کی جڑیں کھودنے میں مصروف ہیں۔

میڈیا، این جی اوز، جدید تعلیمی نظام، بیوروکریٹس دراصل سرمایہ دارانہ اقدار وادارتی صف بندی کے قیام واستحکام کے لئے شب وروز محنت کر رہے ہیں۔ان مصیبتوں سے بچی کھچی عوام میں سے بھی ایک بڑی تعداد بے حیائی اور فحاشی کے طوفان میں بہہ جاتی ہے۔ان دین بیزار طبقات کی کوششوں کے ذریعے ایک روایتی اسلامی معاشرے کے بجائے ایک عالمی دجالی اور سرمایہ دارانہ معاشرہ وجود میں لایا جارہا ہے۔

اسلام وہ دین ہے جو عدل ومساوات کا ایک انقلابی پیغام لے کر اُٹھا۔﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ (سورۃ النساء:1) ترجمہ:''اس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا''، کے ذریعے اسلامی مساواتِ باہمی کو عام کیا تو﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (سورۃ الحجرات:10) ترجمہ:''بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' کہہ کر تمیز بندہ وآقا کے سارے بت توڑ دیے۔ یہاں تک کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر((لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوَى)) ترجمہ:''کوئی فضیلت نہیں کسی عربی کے لئے کسی عجمی پر، نہ کسی عجمی کے لئے کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر نہ ہی کالے کو گورے پر سوائے تقویٰ کے''، کے انقلابی نعرے سے ہر قسم کی عصبیتیں ختم کر دیں۔ یہی وہ حقیقت تھی جسے دین اسلام نے پیش کیا اور اس جاہلی درجہ بندی کا دروازہ بند کیا جس میں اپنی شناخت کو کسی سعی وعمل کے ذریعے نہیں مٹایا جا سکتا یعنی کوئی کالا گورا نہیں بن سکتا، نہ ہی کوئی عجمی عربی بن سکتا ہے۔ یہ مساوات صرف نعروں کی حد تک ہی نہیں تھا بلکہ ایچ۔جی۔ویلز (H.G.Wells) اپنی شہرۂ آفاق کتاب (A Short History of the World) میں اعتراف کرتا ہے:

"Although the sermons of human freedom, fraternity and equality were said before also, and we find a lot of them in Jesus of Nazareth, but it must be admitted it was Muhammad who for the first time in history

established a society based on these principles."

ترجمہ: ''اگرچہ انسانی اُخوت، مساوات اور حریت کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کئے گئے ہیں اور ایسے وعظ مسیح ناصری علیہ السلام کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی تھے، جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی بار ان اُصولوں پر ایک معاشرہ قائم فرمایا۔''

لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ﴿وَمَا تَفَرَّقُوْآ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَاجَآئَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ:14) ''اور اُنہوں نے تفرقہ پیدا نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا تھا، آپس کی ضد کی وجہ سے'' کے مصداق لوگوں میں تفرقہ پیدا ہوا۔ مفسر امام ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "بغيا على الدنيا و ملكها وزخرفها وزينتها وسلطانها" ترجمہ: حب دنیا، اقتدار کی چاہ، اس کی زیب وزینت اور سلطنت کی محبت پیدا ہوئی تو تفرقہ ظاہر ہوا۔

آج بھی جب کوئی تفرقہ پیدا ہوتا ہے تو دنیاوی حرص، اپنی بڑائی یا اَنا اور اپنی ایک الگ پہچان وشہرت کے لئے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بناتا ہے۔ یعنی آج بھی اس تفرقے کی ایک بڑی وجہ یہی ''بغیًا'' یعنی ضد ہے۔

تفرقے کا دوسرا سبب ''غلو'' یعنی حد سے آگے بڑھ جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے: ﴿لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ (سورۃ النساء: 177) ترجمہ: ''دین میں غلو نہ کرو'' اصل میں موجودہ دور میں جو غلو تفرقہ بازی کا سبب ہے وہ غیر شعوری ہے اور غلو کرنے والے اسے دین کی خدمت سمجھتے ہوئے کرتے ہیں، جبکہ وہ دین کا نقصان کر رہے ہوتے ہیں۔ فروعی اور اجتہادی اُمور میں تعصب برتنا اور اپنی اختیار کردہ رائے کے علاوہ دوسری رائے کے حاملین کو مخطی یعنی اجتہادی غلطی کرنے والا ہی نہیں بلکہ باطل اور گنہگار قرار دینا اور ان سے ایسا رویہ رکھنا کہ جیسا کہ اہل باطل سے رکھا جاتا ہے، آج کے دور میں غلو کی واضح مثالیں ہیں۔ بعض لوگ تو غلو میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اپنے مسلک کی دعوت اس طرح دیتے ہیں کہ جیسے کسی غیر مسلم کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ اکثر یہ غلو علماءِ سوء میں پایا جاتا ہے جو بغیر اہلیت وتدبر کے دوسروں پر فتوے

جڑتے ہیں اور اس طرح سلف صالحین کے منہج سے انحراف کرتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: (أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَآءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا) ترجمہ: میں اس شخص کو پہلے درجے کی جنت کی ضمانت دیتا ہوں جو حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دے۔ کیا ہم نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کو ان فروعی معاملات میں تفرقے سے بچنے کا ذریعہ نہیں بنا سکتے؟ یہ ایک غور طلب سوال ہے۔

تفرقے کا تیسرا اور سب سے اہم سبب قرآن سے دوری ہے۔ بقولِ اقبال:

؎ خوار از مہجوریٔ قرآن شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی

قرآن وہ واحد شے ہے جس پر مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کا بھی اتفاق ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو حضرت محمد ﷺ نے اپنی اُمت کو دی۔ مسلمانوں کا ایمان ایک قدم اور آگے ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو اللہ نے جبرائیل کے ذریعے حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائی۔ مگر آج مسلمانوں کا حال ہے کہ ﴿إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل:9) ترجمہ: ''بے شک یہ قرآن ہدایت دیتا ہے اس راہ کی طرف جو بالکل سیدھی ہے۔'' کے باوجود ہم نے اس ہدایت کے سرچشمے کو چھوڑ رکھا ہے۔ وہ ''حبل اللہ'' جسے تھام کر تفرقے سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ہم نے اسے پس پشت ڈالا ہوا ہے۔ وعظ ہو یا خطاب وہاں بھی قرآن کا کوئی ذکر نہیں، کوئی اصلاحی درس ہو تو وہاں بھی ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ﴾ (سورۂ ق:45) ترجمہ: ''پس تذکیر کیجئے اس قرآن کے ذریعے'' کے حکم پر عمل نہیں اور عموماً بیانات اور دروس میں قرآن کے علاوہ دیگر غیر منصوص کتب سے تذکیر کرائی جاتی ہے۔ وہ قرآن جو دلوں کو جوڑنے کے لئے نازل ہوا تھا وہ آج دوسروں کے خلاف گواہیاں دینے کے لئے کام آتا ہے۔ وہ کتاب جس پر عمل کرنے کی وجہ سے یہ قرآن بروزِ قیامت ہماری شفاعت کرتا۔ آج ہم ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾ (سورۂ الفرقان:30) ترجمہ: ''اور کہیں گے رسول، اے رب! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا'' کے مطابق اپنے آپ کو نبی ﷺ کی بددُعا کا مستحق بنا رہے ہیں۔

اختلافِ رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے جس کو نہ مٹایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کو مٹانا

اسلام کا منشا ہے۔ قرآن میں بھی اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ﴾ (سورۂ ھود:118) ترجمہ: ''اگر آپ کا رب چاہتا تو بنا دیتا لوگوں کو ایک ہی اُمت، مگر وہ اختلاف میں ہی رہیں گے۔'' کامل اتفاقِ رائے صرف دو صورتوں میں ممکن ہے، یا تو ان لوگوں میں کوئی سوجھ بوجھ والا شخص ہی نہ ہو یا پھر اس مجمع میں تمام انسان ایسے ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط جانتے ہوئے بھی غلط نہ کہیں اور ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا﴾ (سورۂ النساء:58) ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں (مشوروں) کو لوٹا دو ان کے اہل کی طرف۔'' پر بھی عمل نہ کریں۔ اسلام چونکہ فطری دین ہے اس لئے اس نے فطری جذبے کو دبایا نہیں ہے بلکہ صحیح رُخ دیا ہے۔ اسلام میں شورائیت کا نظام قائم کیا گیا تا کہ مختلف آراء کی موجودگی میں بصیرت کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکے۔

نبی اکرم ﷺ کے دورِ مبارک میں بھی انتظامی اور تجرباتی معاملات میں اختلاف کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کے دور میں پیش آمدہ نئے دینی اُمور، اجتہادی مسائل اور تعارضِ آیات و احادیث کے فہم میں اختلاف ہوا۔ یہاں تک کہ روزمرہ کے اعمال جیسے نماز و روزہ کے فروعی و جزئی اُمور پر بھی اختلاف ہوئے اور ان مباحث کا ذکر بھی ملتا ہے۔ پھر یہ اختلاف تابعین اور تبع تابعین میں بھی جاری رہا۔ یہاں تک کہ بعض اُمور میں تو حلال حرام تک میں اختلاف ہوا۔ مگر قابل تقلید بات یہ ہے کہ یہ اختلاف مخالفت میں نہ بدلا۔ نہ کسی شخص یا گروہ نے مخالفین کو باطل کہا نہ سب وشتم کا نشانہ بنایا۔ بلکہ تمام ایک دوسرے کے تنوع علم سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ''جامع بیان العلم'' میں لکھتے ہیں: (ما برح أولوالفتوى يفتون فيحل هذا ويحرم هذا فلا يرى المحرم أن المحل هلك لتحليله ولا يرى المحل أن المحرم هلك لتحريمه) ترجمہ: ''اہل افتاء فتویٰ دیتے رہے، ایک اس کو حلال قرار دیتا اور ایک حرام، مگر نہ حرام کہنے والا حلال کہنے والے کو غلط کہتا، نہ ہی حلال کہنے والا حرام کہنے والے کو غلط کہتا۔''

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (احد القولين خطا والمأثم فيه موضوع) ترجمہ: دو اقوال میں سے ایک خطاء پر مبنی ہے اور اس کا گناہ کرنے والا معاف ہے۔'' اور امامِ

مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:(المراء والجدال فی العلم یذھب بنورالعلم من قلب العبد، و قیل لہ رجل لہ علم بالسنة فھو یجادل عنھا؟ قال ولکن لیخبر بالسنة فان قبل منه والا سکت) ترجمہ:''علم میں جھگڑا بندے کے دل سے علم کا نور لے جاتا ہے، پوچھا گیا کہ وہ شخص جسے سنت کا علم ہو، کیا وہ اس کے حق میں نہ جھگڑے؟ کہا کہ اس کو باخبر کردے، اگر قبول کرلے تو ٹھیک ورنہ خاموش ہوجائے۔''اسی قسم کے اقوال امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہیں۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد میں ہمیشہ ایک رائے صحیح اور ایک رائے غلط ہوتی ہے مگر غلط رائے کے حاملین کو باطل نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ بھی پوری محنت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں اور حدیث (متفق علیہ) کے مطابق دونوں کے لئے اجر ہے۔

یہاں ایک ایسے شخص کے لئے جو علومِ دینیہ، اُصولِ اجتہاد اور اسبابِ اختلاف سے ناواقف ہو اس بات کو سمجھنا مشکل ہوجائے گا کہ دو متضاد باتیں بیک وقت صحیح کیسے ہوسکتی ہے؟ مگر اصل معاملہ یہ ہے کہ وہ محکم حلال وحرام جو نصوص میں ذکر ہوئے ہیں ان میں تو کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوا اور نہ ہی ایسا جائز ہے اور نہ ہی اس معاملے میں کوئی رواداری برتی جاتی ہے کیونکہ حق واضح ہے۔ رہی دوسری بات کہ وہ اُمور جو کہ نصوص میں وارد نہیں ہوئے تو اس بارے میں ایک عالم مجتہد آثار وتعامل پر غور وخوض کرکے ایک نتیجے پر پہنچتا ہے، جبکہ دوسرا عالم اتنی ہی محنت، اور انہی اُصول کے نتیجے میں مختلف رائے تک پہنچتا ہے۔ اب چاہے یہ دونوں نتائج بظاہر متعارض ہی کیوں نہ ہوں دونوں کو اپنی رائے پر عمل کرنے کا حق ہے اور دونوں ہی ثواب کے حقدار ہوں گے۔

وہ عام آدمی جو اس اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ بہرحال ان میں سے کسی ایک کی تقلید کرے گا۔ مگر اسے اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ ایسے عالم سے فتویٰ حاصل کرے جو فتویٰ دینے کا اہل ہو جیسے وہ دنیاوی معاملات میں اپنی صحت کے لئے بہترین ڈاکٹر تلاش کرتا ہے۔ ایسے میں حدیث کے مطابق اگر عامی کا عمل غلط بھی ہو تو اس کا وبال عامی نہیں بلکہ عالم پر ہوگا۔ اب آتے ہیں اس مسئلہ کے علاج پر۔

؎ وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

ضرورت اس کی ہے کہ تحمل پیدا کیا جائے۔عوامی سطح پر بھی اور علماء کی سطح پر بھی۔ وہ رائے جس پر ہم یا ہمارے مکتب فکر کے علماء اجتہاد کے ذریعے پہنچے ہوں اسے ہم یقیناً صحیح سمجھ کر عمل کریں مگر دیگر مکاتب فکر کی آراء کا بھی احترام کریں اور ان کی مذمت کرنے سے بچیں۔

مزید یہ کہ ہمیں اپنے ذہنوں سے تعصب کو مٹانا ہوگا۔صرف اپنے آپ کو ہی صحیح سمجھنا اور اپنی غلطیوں کو بھی نظر انداز کرنا، غلط طرزِ عمل ہے۔ممکن ہے کہ ہم اپنی وہ رائے جس پر فخر سے عمل کر رہے ہوں وہ خطا پر مبنی ہو۔اللہ کی رحمت سے اُمید اور اس کے عذاب کا خوف انسان کے دل سے تعصّبات کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

اس خیال کو ذہن میں پختہ سے پختہ کیا جائے کہ ایک مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار اور آپ کا مخالف ہی کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن جہنم کی سزا بھگت کر جنت میں ضرور جائے گا جبکہ ایک کافر، کتنا ہی آپ کا اچھا دوست اور حسن اخلاق والا ہو مگر ہو کبھی جنت میں نہیں جا سکتا۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کی وجہ سے ﴿اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ﴾ (سورۃ الفتح:29) ترجمہ:''کفار پر سخت اور آپس میں نرم'' اور ﴿اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ﴾ (سورۃ المائدہ:54) ترجمہ:''مومنین پر نرم، کفار پر سخت'' پر عمل ممکن ہوتا ہے۔ہمیں بار بار اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہماری نفرت کفار اور اہل باطل کے مقابلے میں ان مسلمانوں سے تو نہیں جن کو ہم اپنا مخالف سمجھتے ہیں اور کیا ہم کفر، مادہ پرستی، الحاد سے اتنی نفرت کرتے ہیں جتنی اپنے مخالف گروہ سے؟ مندرجہ بالا آیات سے ایک معنی یہ بھی نکلتا ہے کہ جب مسلمانوں سے محبت ہوگی تو ہی کفار سے دشمنی ہوگی اور اگر خدانخواستہ ہم کفار کو پسند کریں تو پھر مسلمانوں سے نفرت پیدا ہوگی اور کفار ہماری اس کمزوری کا فائدہ اُٹھا کر ہمارے اندر اور تفرقہ پیدا کریں گے۔اس کی بہترین مثال صحابہ کے دور میں ملتی ہے۔ابن کثیر لکھتے ہیں:

رومی حکومت نے جب یہ دیکھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ سے جنگ میں مشغول ہیں تو وہ بڑی فوج کے ساتھ قریبی علاقے میں چلا آیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لالچ دیا (کہ وہ اس کے ساتھ مل جائیں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو لکھا:''واللہ! اگر تم نہ رکے اور اے لعین! اپنے ملک واپس نہ گئے تو میں اور میرا چچازاد بھائی (علی رضی اللہ عنہ) آپس میں اتحاد کر لیں گے

اور تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کریں گے۔ روئے زمین کو تم پر تنگ کر کے رکھ دیں گے۔ اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان ہی لی ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے ساتھی (علی رضی اللہ عنہ) سے صلح کروں گا۔ پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہوگا، اس کے ہراول دستے میں شامل ہو کر قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنا دوں گا اور تمہاری حکومت کو گا جر مولی کی طرح اُکھاڑ پھینکوں گا۔''

یہ خط پڑھ کر قیصر روم ڈر گیا اور اس نے جنگ بندی کی اپیل کی۔

پھر وہ دینی جماعتیں جو الگ نصب العین بھی لے کر اُٹھی ہوں مگر اگر واقعی دین کی خدمت کا جذبہ ہو تو سب آپس میں مل کر دین کی ایک عظیم طاقت بن سکتی ہیں۔ چاہے وہ کوئی مدرسہ بنا کر تعلیم و تعلّم کے لئے محنت کر رہے ہوں، تبلیغی جماعت بنا کر دین کی نشر و اشاعت کر رہے ہوں، کوئی اصلاحی تحریک چلا کر اخلاق کی بہتری کے خواہاں ہوں یا اقامت دین کے لئے جہاد کر رہے ہوں، آپس میں ایک جماعت نہ ہونے کے باوجود بھی ایک عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے آگے بڑھ سکتے ہیں بشرط یہ کہ اپنی جماعت کے منہج و مقاصد کو ہی کل دین نہ سمجھ بیٹھیں اور دوسروں کے مناہج خدمت دین پر کھلے بندوں تنقید نہ کریں۔

دوسرے یہ کہ دین کے جامع تصورِ حیات کو سمجھا جائے۔ کیونکہ ایک بہت بڑی تعداد مذہب کو معاشرت، معیشت اور سیاست سے الگ کرتی ہے۔ اس طرح دین کے ایک وسیع دائرے کو چھوڑ کر ایک محدود انداز میں عمل کرنے سے تفریق پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ آج بھی اسلام کو دیگر مذاہب کی طرح تسبیح و مصلیٰ تک محدود سمجھتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات، رسوم اور اعتقادات کے علاوہ تجارت کے مسائل بھی بیان کئے، ریاست مدینہ قائم کی جس کے ذریعے سیاست کے احکام سکھائے اور معاشرتی احکام کے ذریعے ایک جدید تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی۔ اگر ہم تمام احکامات کے بجائے ایک گوشے میں عمل کرتے رہیں تو سورۂ انفال کی آیت کے مطابق ہماری جمعیت کمزور ہوگی اور ہمارا رعب ختم ہو جائے گا۔

ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ بدعات اور غلط رسومات کے خلاف کام کریں تو قرآنی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے۔ پہلے حکمت سے دعوت دی جائے پھر موعظت یعنی نرم وعظ سے سمجھایا جائے اور اگر علمی بحث چل نکلے تو مجادلہ بھی احسن طریقہ سے ہو۔ خیال رہے کہ کوئی وعظ نبی علیہ السلام کے وعظ

جتنا نرم نہیں ہوسکتا اور کوئی غلط شخص فرعون سے برا نہیں ہوسکتا۔ باوجود اس کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قولِ لین کے ذریعے فرعون کو دعوت دینے کی تلقین کی۔ظاہر ہے ہمیں بھی اس رویے کو اپنانا چاہئے۔

اہم ترین شے ''حبل اللہ'' یعنی قرآن ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (سورۂ آلِ عمران:103) ترجمہ: ''اور تم سب آپس میں چمٹ جاؤ اللہ کی رسی سے اور تفرقے میں نہ پڑو'' اس قرآن پر اُمت جمع ہو جائے جس کی صحت پر پوری دنیا جمع ہے۔جیسے مندرجہ بالا آیت کے اگلے حصہ میں ہے کہ اس قرآن کی وجہ سے وہ دشمن جو صدیوں سے لڑتے آتے تھے، باہم شیر وشکر ہو گئے تو ہم اُمت مسلمہ جو ماضی قریب میں بھی متحد تھی آج بھی اس قرآن کے ذریعے متحد ہوسکتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کی تعلیم کو حتیٰ الامکان عام کیا جائے اور قرآن کے تذکیری پہلو کو عوام میں بیان کیا جائے۔لوگوں کے تزکیے اور باطنی بیماریوں کا علاج بھی قرآن کے ذریعے کیا جائے۔ ہر شہر میں عوامی دروسِ قرآن کو پھیلایا جائے۔جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآنی علوم سے روشناس کرایا جائے تاکہ وہ قرآن کی قوتِ تسخیر کے ذریعے اپنی زندگیاں قرآن کی خدمت کے لئے وقف کریں۔اس کے ذریعے نوجوانوں کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوگی جو جدیدیت زدہ مغربی فکر وفلسفہ کا مقابلہ کرسکیں۔قرآن اور اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دیں، اسلام کی تعلیمات کو عصر حاضر کے تقاضاؤں کے مطابق پیش کرسکیں، اسلامی عملی ہدایات کو جدید دور کے طرزِ زندگی پر منطبق کرنے کی صلاحیت کے حامل ہوں۔اور پھر یہی کوشش آئندہ چل کر اُمت کی ایک مرکز (یعنی خلافت) پر اتحاد کا سبب بنے گی۔ان شاء اللہ

ہجرت کا آغاز

مسٹر کونسٹن ویرژیل
کی کتاب ''عکس سیرت'' سے ایک باب

بیعت الحرب رجب کے مہینے سن 622ء میں انجام پذیر ہوئی جس کے بعد عربی زبان اور خاص طور پر مسلمانوں کی زبان میں دو نئی اصطلاحات کا اضافہ ہو گیا۔ ایک اصطلاح تھی ''انصار'' اور دوسری ''مہاجرین''۔

'' انصار'' مدینہ کے ان مسلمانوں کو کہا گیا جنہوں نے متواتر دو سال تک یعنی 621ء اور 622ء میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ''مہاجرین'' کا اطلاق ان مسلمانوں پر ہوا جو پیغمبر کے حکم پر قریش کی ایذا رسائی سے بچنے کی خاطر مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔

اسلامی تاریخ میں ان دو فریقوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں کیونکہ انصار اور مہاجرین دونوں نے اسلام کی راہ میں بے پناہ رنج اُٹھائے اور شدائد کا مقابلہ کیا۔

شروع میں انصار کا لفظ مدینہ کے ان معدودے چند افراد کے لئے استعمال ہوا جنہوں نے مسلسل دو سال تک رجب کے مہینے میں سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن بعد میں مدینہ کے تمام مسلمان شہریوں کو انصار کے نام سے پکارا گیا۔

بیعت الحرب جو سن 622ء میں انجام کو پہنچی اگرچہ خفیہ طور پر منعقد ہوئی تھی مگر پھر بھی قریش کو یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ آنحضور ﷺ اور مدینہ سے آنے والے بعض افراد کے درمیان

کچھ گفت وشنید ہوئی ہے اور انہوں نے آپس میں کوئی معاہدہ بھی کرلیا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مدینہ کے شہریوں سے جو کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ آئے ہوئے تھے پوچھ گچھ شروع کردی کہ تم نے کب اور کہاں آنحضورﷺ سے رابطہ قائم کیا۔تم لوگوں نے کیا کہا اور جواب میں کیا سنا؟!

مدینہ کے زائرین جو بت پرست تھے اور بتوں کی پوجا کرنے مکہ آئے ہوئے تھے انہیں حضرت محمدﷺ اور اپنے کچھ ساتھیوں کے درمیان ہونے والی ملاقات کا قطعاً علم نہیں تھا لہٰذا انہوں نے اس سلسلے میں مکمل بے اطلاعی کا اظہار کیا۔

ان کا کہنا درست تھا کیونکہ مدینہ کے وہ پچھتّر مسلمان جنہوں نے رات کی تاریکی میں پیغمبر اسلامﷺ سے گفتگو کی تھی پو پھٹتے ہی مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے تھے اور چونکہ انہیں خدشہ تھا کہ مکہ کے قریش ان کا تعاقب کریں گے لہٰذا وہ لوگ راستہ بدلتے ہوئے مدینہ کی طرف جارہے تھے۔

ابھی ان لوگوں کو مکہ سے نکلے تین دن ہی گزرے تھے کہ قریش کو یہ علم ہوگیا کہ حضورﷺ اور مدینہ کے مسلمانوں کے درمیان جنگی معاہدہ طے پاچکا ہے لہٰذا انہوں نے مدینہ جانے والے تمام مسلمانوں کو گرفتار کرکے مکہ لانے کا فیصلہ کرلیا۔

عام قافلے مکہ اور مدینہ کے درمیانی فاصلے گیارہ دن میں طے کرتے تھے جبکہ تیز رفتار سفید اونٹ یہی فاصلہ تین دن میں طے کرلیتے تھے۔قافلہ قریش کے ارکان نے کچھ سفید اونٹ فراہم کیے اور ان پر سوار ہوکر مسلمانوں کے تعاقب میں روانہ ہوگئے تاکہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو گرفتار کرکے مکہ لے آئیں۔لیکن چونکہ مدینہ کے مسلمان اپنا راستہ بدلتے ہوئے سفر کررہے تھے لہٰذا تیز رفتا اونٹ سوار بھی انہیں ڈھونڈنے میں ناکام رہے تاہم انہوں نے مدینہ کے ایک تاجر کو پکڑ لیا جو مسلمانوں کے کارواں میں شامل تھا اور کسی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔

گرفتار شدہ تاجر کو مکہ لایا گیا اور وہاں اس سے پوچھ گچھ شروع کردی۔اس نے بتایا کہ میں اہل مدینہ کے قافلے میں ضرور شامل تھا اور اپنے شہر کو لوٹ رہا تھا لیکن نے اہل قافلہ سے یہ نہیں سنا کہ انہوں نے مکہ میں آنحضورﷺ سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ کوئی معاہدہ کرلیا ہے۔

مدینے کا تاجر سچ کہہ رہا تھا کیونکہ قافلے میں شامل مسلمانوں نے اپنا راز چھپائے رکھا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ علاوہ ازیں مذکورہ تاجر خاصا مال دار تھا اور بقیہ اعراب کی طرح وہ بھی ایک قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر قریش اسے ایذا پہنچاتے یا شکنجے دیتے تو اس کے قبیلے کو اپنا دشمن بنا بیٹھتے۔ مزید برآں مکہ میں بھی اس شخص کے کئی دوست تھے لہٰذا قریش نے اسے رہا کر دیا اور اس کے بدلے دو جاسوس مدینہ روانہ کر دیے تا کہ وہاں کے مسلمانوں سے چھان بین کر سکیں اور یہ جان سکیں کہ ان کے اور آنحضور ﷺ کے درمیان کس قسم کا معاہدہ طے پایا ہے۔

ہوسکتا ہے آپ یہ پوچھیں کہ قریش کے افراد نے خود پیغمبر اسلام ﷺ کو (جو بظاہر ان کی گرفت میں تھے) گرفتار کیوں نہ کیا اور ان سے پوچھ گچھ کیوں نہیں کی؟

جواب یہ ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ اس وقت ایک قبیلے کی حمایت میں تھے..... لہٰذا قریش انہیں گرفتار نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی یہ جاننے کے لئے دباؤ ڈال سکتے تھے کہ ان کے اور مدینہ کے مسلمانوں کے درمیان کیا گزری ہے؟!

دوسری طرف مدینہ کے پچھتّر مسلمان جیسے ہی اپنے شہر پہنچے تو حضرت محمد ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو ہدایات دیں کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کی طرف نکل جائیں اور وہاں پہنچ کر انصار کے گھروں میں سکونت اختیار کریں۔

مکہ کے مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں اپنا آبائی شہر چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے اور انہوں نے یہ احتیاط بھی رکھی کہ جماعت قریش ان کی ہجرت سے مطلع نہ ہو سکے لیکن مکہ جیسے شہر میں جہاں سب ایک دوسرے کو پہچانتے تھے کچھ افراد کی اچانک غیر حاضری بہت جلد دوسروں کی توجہ کا مرکز بن سکتی تھی اور ایسا ہی ہوا۔ قریش کو یہ سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئی کہ مسلمان رفتہ رفتہ مکہ سے نکلے جا رہے ہیں لہٰذا انہوں نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کا راستہ روکنے اور انہیں مکہ میں ہی رہنے پر مجبور کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ مسلمانوں میں سے تین افراد نے، جن میں ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن ربیعہ اور دوسرے دو بھائی حضرت امیہ اور حضرت ہاشم بن عاص تھے، یہ فیصلہ کیا کہ ایک ساتھ مکہ سے نکلیں لیکن جس رات ان لوگوں کو ہجرت کرنا تھی تو حضرت ہاشم بن عاص اچانک

ناپید ہو گئے۔ بقیہ وہ مسلمان ناچاری کے عالم میں ان کے بغیر سوئے مدینہ روانہ ہو گئے اور اگلے دن تمام اہل مکہ کو پتہ چل گیا کہ حضرت ہاشم چونکہ مسلمان تھے اور مکہ سے بھاگنا چاہتے تھے لہٰذا قریش نے انہیں گرفتار کر لیا ہے۔

ان دنوں مکہ میں جیل نہیں تھی جزیرۃ العرب کا پہلا زندان پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے کئی سالوں بعد کوفہ میں تعمیر ہوا۔ اس زمانے میں جب کسی کو گرفتار کیا جاتا اور سزا دینا مقصود ہوتا تو اسے زنجیروں سے باندھ کر صحرا کی تپتی ریت پر چھوڑ دیا جاتا تھا اور حضرت ہاشم کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی سب سے بڑی قربانی

وہ بات جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا یہ تھی کہ انہیں احساس ہو چلا تھا کہ آج کے بعد ان کا رابطہ اپنے خاندان، قبیلے اور آباء واجداد سے ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔ جبکہ آباء واجداد جو مجموعی طور پر خاندانی شجرہ کی تکمیل کرتے تھے اس زمانے کے جزیرۃ العرب میں ہمارے آج کے شناختی کارڈ سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔

اگر آج ہم اپنا شناختی کارڈ کھو دیں تو دوسرا حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس زمانے میں جب کسی کا رابطہ اپنے خاندانی شجرہ سے ٹوٹ جاتا تو گویا ایسا تھا جیسے وہ اپنی شناخت کے علاوہ اپنے سماجی اور معاشی حقوق سے بھی محروم ہو چکا ہو۔ خاندانی شجرہ اور قبیلہ درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔ جب کوئی شخص اپنے قبیلے سے ترک تعلق کر لیتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس دنیا میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھا ہے۔

میں (کونسٹن ویرژیل) اس بات پر اس لئے بھی زیادہ زور دے رہا ہوں کہ میں نے محسوس کیا ہے کہ اسلامی مؤرخین نے ہجرت کے موقع پر حضرت محمد ﷺ کی سب سے بڑی قربانی کی اہمیت کو صحیح طور پر درک نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپنے دین کی راہ میں حضرت محمد ﷺ کی سب سے بڑی قربانی یہ تھی کہ انہوں نے اپنے قبیلے سے اپنے مشن کی خاطر ناطہ توڑ لیا اور مکہ جیسے شہر کو جہاں وہ پروان چڑھے تھے، چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے دراصل ایک تبر ہاتھ میں تھاما اور اس کی مدد سے صرف اس لئے خاندانی رشتوں کو کاٹ ڈالا کہ اسلام کو ترقی اور عروج حاصل ہو۔ یعنی انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس درخت کو گرادیا کہ جس کے بغیر دنیا کی دو لامحدود وسعتوں یعنی ایک صحرا کی بے پایاں وسعت اور دوسری آگ برساتے ہوئے آسمان کی وسعت، کے درمیان ان کا بظاہر رہنا ممکن نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں خاندانی شجرہ کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ افراد کی شناخت ہی ان کے شجرہ سے ہوتی تھی۔ درحقیقت خاندانی شجرہ ہی وہ درخت تھا جس کے سائے میں ایک عرب زندگی گزارنے کے طور طریقے سیکھتا تھا اور اپنے آباء واجداد سے سرمشق لیتا تھا لیکن جب وہ درخت ہی نہ رہتا تو نہ اجداد اس کی دستگیری کرتے اور نہ عزیز واقارب ہی میں سے کوئی اس کا ہاتھ تھامتا تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ اگرچہ سب سے بڑی قربانی دے رہے تھے لیکن اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے باوجود وہ اس سلسلے میں افسردہ یا غمگین نہیں تھے تاہم اس لمحہ ان کی سوچوں کا محور ترکِ تعلقات ہی تھا۔

بہرکیف، جب سورج ڈوب گیا اور رات کی تاریکی پھیل گئی تو بھی حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سفر جاری رکھا لیکن چونکہ سنگلاخ علاقہ ختم ہو چکا تھا لہٰذا وہ قدرے آسانی سے قدم اُٹھا سکتے تھے۔

رات بھر کا سفر کرنے کے بعد جب صبح کی روشنی پھیلی تو وہ لوگ اس غار کے نزدیک پہنچے جسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد ﷺ کے عارضی قیام کے لئے منتخب کیا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر کے لحاظ سے حضرت محمد ﷺ سے تین سال بڑے تھے اور.....ان کا شمار مکہ کے متمول افراد میں ہوتا تھا لیکن انہوں نے اپنی تمام دولت اور جائیداد اسلام کی راہ میں قربان کر دی اور فی الوقت بے بضاعت ہو چکے تھے۔ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر میں بڑے تھے اور طبقہ اشراف سے تعلق رکھتے تھے لیکن غار میں پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس جگہ کو صاف کیا اور اپنی قبا پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں سے غار میں موجود مختلف سوراخوں کو مسدود کر دیا تاکہ کوئی موذی جانور سانپ یا بچھو وغیرہ ان سوراخوں سے نکل کر حضرت محمد ﷺ کو ایذا نہ پہنچا سکے اور جب انہیں یہ اطمینان ہو گیا کہ غار میں اب کوئی خطرہ نہیں تو انہوں

نے پیغمبر اسلام ﷺ کو غار میں داخل ہونے کی دعوت دی۔

اسی غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد ﷺ کے پیروں کے زخموں کو باندھا اور چونکہ ایسی کوئی چیز موجود نہیں تھی جس پر سر رکھ کر پیغمبر ﷺ استراحت کر سکتے لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد ﷺ سے کہا: وہ اپنا سر ان کی گود میں رکھ کر آرام سے لیٹ جائیں لیکن پیغمبر ﷺ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھکے ہوئے ہیں اور انہیں بھی آرام کی ضرورت ہے ان کی تجویز نہ مانی اور خود پتھریلی زمین پر سر رکھ کر سونے کے لئے لیٹ گئے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سونے سے پہلے یہ دیکھا کہ اس غار میں ایک سوراخ باقی رہ گیا ہے جسے وہ کپڑا کم ہونے کی وجہ سے نہیں بھر سکے تھے لہٰذا انہوں نے اپنے پاؤں کی ایڑی اس سوراخ میں رکھ دی اور سونے کی غرض سے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ سانپ جو اس سوراخ میں بیٹھا تھا جب باہر نکلنے لگا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایڑی سے ٹکرا گیا اور جھنجھلا کر انہیں ڈس لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ درد کی شدت سے بلبلا اُٹھے اور اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ پسینے کے قطرے ان کے چہرے سے ڈھلک کر حضرت محمد ﷺ کی پیشانی پر ٹپکنے لگے اور یوں ان کی بھی آنکھ کھل گئی۔ حضرت محمد ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا ہے تو فوراً سمجھ گئے کہ وہ ضرور کسی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ وجہ پوچھنے پر جب انہیں یہ علم ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سانپ نے ڈس لیا ہے تو فوراً کاٹنے کی جگہ کو باندھ کر اس کا زہر نکال دیا اور اپنا لعاب مبارک اس جگہ پر لگایا۔ اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آرام کرنے کے قابل ہو گئے۔

جس رات حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مذکورہ غار (یعنی سانپوں والی غار) کی طرف رہ نوردی کر رہے تھے تو اسی رات مکہ میں قریش کے منتخبہ افراد اپنے قبائلی منصوبہ کے تحت حضرت محمد ﷺ کے گھر میں داخل ہو گئے تا کہ آپ ﷺ کا (نعوذ باللہ) کام تمام کر دیں۔ لیکن وہاں انہیں آپ ﷺ کی بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے متعجب ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ آیا محمد (ﷺ) مکہ سے باہر نکل گئے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو راست گو تھے اور جھوٹ نہیں بولتے تھے، بولے کہ ہاں آپ ﷺ

مکہ سے باہر چلے گئے ہیں۔

یہ جانتے ہی قریش کے کارندے اسی رات مکہ کے آس پاس پھیل گئے اور گرد ونواح کے بیابانوں میں حضرت محمد ﷺ کی تلاش شروع کر دی۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کروایا کہ جو شخص آپ کو ڈھونڈ نکالے گا یا ان کی خفیہ گاہ کا پتہ چلائے گا تو اسے انعام کے طور پر ایک سو اونٹ پیش کیے جائیں گے۔ اگلے دن قریش کے کارندے تیز رفتار اونٹوں کے ذریعے اس علاقے تک پہنچ گئے جہاں سانپوں والی غار تھی اور جہاں حضرت محمد ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ پناہ لیے بیٹھے تھے۔ اگرچہ قریش کے افراد غار کے سامنے سے گزرے اور دیکھا بھی لیکن اس میں داخل نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بن دیا تھا لہٰذا جب تعاقب کرنے والوں نے یہ دیکھا کہ غار کے مدخل پر مکڑی تاروں کا پردہ پڑا ہوا ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ محمد ﷺ کم سے کم اس غار میں داخل نہیں ہوئے کیونکہ اگر وہ غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا جالا ٹوٹ جاتا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا تعاقب کرنے والوں کے پہلے دستے کے بعد دوسرا گروہ بھی اسی غار کے پاس پہنچا اور انہوں نے مشاہدہ کیا کہ غار کے دہانے پر ایک پرندے کا گھونسلا بنا ہوا ہے اور اس کے انڈے بھی وہاں موجود ہیں۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد (ﷺ) بلاشبہ اس غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا جالا اور پرندے کا آشیانہ یہاں نہ ہوتے۔

دوسری طرف غار کے اندر کی صورتِ حال یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو تھکن سے چور تھے اور سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا تھے، قریش کی رفت وآمد دیکھ کر مزید ہراس میں مبتلا ہو گئے لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے اللہ کی مدد کا یقین دلایا۔ قرآن کی نویں سورۃ ''توبہ'' کی چالیسویں آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہوا ہے:

> ''یعنی اگر تم نے (اے کفار) ان کی مدد نہ کی لیکن اللہ نے، جبکہ کفار نے انہیں مکہ سے نکال دیا تھا، مدد کی اور وہ ان دو افراد میں سے ایک تھے جو غار میں ٹھہرے ہوئے تھے اور پیغمبر (ﷺ) نے اپنے دوست سے کہا کہ غم زدہ نہ ہو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (اور ایسا ہی ہوا) اللہ نے اس پر جو بہت ڈرا ہوا تھا تسکین نازل کی''

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طمانیت قلب حاصل ہوئی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین شب و روز تک اسی غار میں ٹھہرے رہے اور جب وہاں سے نکلے تو ان کی نظر مکڑی کے جالے اور پرندے کے گھونسلے پر پڑی اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کی رحمت اور مدد ان کے شامل حال ہے۔

تین دن کی جستجو کے بعد قریش بھی تھک گئے اور ہار مان کر مکہ واپس چلے آئے۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ طے شدہ منصوبے کے مطابق دو سفید اونٹنیاں لے کر مذکورہ غار تک پہنچ گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے تاہم انہوں نے احتیاطی طور پر سمندر کے کنارے کا راستہ اختیار کیا تاکہ تعاقب کرنے والوں کی نگاہوں سے بچے رہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بدن پر قبا نہیں تھی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چونکہ بڑی عجلت میں گھر سے روانہ ہوئے تھے اس لئے وہ بھی مناسب لباس اپنے ہمراہ نہ لا سکے تھے۔ ان دونوں کا لباس پھٹے ہوئے کپڑوں پر مشتمل تھا اگر اس لمحہ کوئی انہیں دیکھتا تو حیرت میں ڈوب جاتا کہ یہ پھٹے پرانے کپڑوں والے کیونکر سفید اونٹنی پر جو صحرائے عرب کی بہترین اور گراں بہا ترین سواری ہے' بیٹھے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف قریش کے ڈھنڈورچی سب جگہ یہ اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ جو کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرے یا انہیں پکڑنے میں مدد دے تو انعام کے طور پر ایک سو اونٹ کا حق دار قرار پائے گا۔

ہجرت

ایک دن قبیلہ بنو مدلج کا سربراہ اپنے خیمے میں بیٹھا کچھ لوگوں کے ساتھ مصروفِ گفتگو تھا کہ ایک شخص خیمے میں داخل ہوا اور بولا: ''اے سراقہ! میں نے آج دو اونٹ سواروں کو دیکھا ہے جو جماز (اونٹنی) پر سوار تھے اور سمند کے کنارے سفر کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔''

سراقہ بن مالک نے جیسے ہی یہ بات سنی تو اس شخص کی بتائی ہوئی نشانیوں سے فوراً یہ سمجھ گیا کہ بلا شبہ ان دو مسافروں میں سے ایک محمد (ﷺ) ہے جس کے سر کی قیمت ایک سو اونٹ مقرر کی گئی ہے۔ لیکن یہ سوچ کر کہ خبر لانے والا شخص اس کے انعام میں شریک نہ ہو جائے تو اسے بہکانے کی خاطر بولا: ''ارے تجھے غلط فہمی ہوئی ہے وہ دونوں اونٹ سوار تو گزشتہ رات میرے مہمان تھے اور آج صبح ہی یہاں سے روانہ ہوئے ہیں!''

جب وہ شخص مایوس ہو کر چلا گیا تو سراقہ بن مالک اپنے قبیلہ کے چند افراد کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار حضرت محمد ﷺ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا (واضح رہے کہ سراقہ بن مالک کا قبیلہ قریش کے اتحادیوں میں شمار ہوتا تھا) اور چونکہ وہ لوگ گھوڑوں پر تھے لہٰذا بہت جلد حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے اور ان کے قریب پہنچتے ہی جب سراقہ نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی تو وہ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔

سراقہ نے مسلسل تین مرتبہ حضرت محمد ﷺ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن ہر بار اس کے گھوڑے کی ٹانگیں خم ہو گئیں اور وہ زمین بوس ہو گیا۔

دورِ جاہلیت کے اَعراب فال نکالنے پر یقین رکھتے لہٰذا جب سراقہ کا گھوڑا تین مرتبہ لڑکھڑا کر گرا تو اس نے فال نکالنے کا فیصلہ کیا کہ آیا محمد ﷺ کو پکڑ کر قریش کے حوالے کر دے یا نہیں لیکن اس کی فال بھی منفی نکلی لیکن اس کے باوجود اس نے چوتھی بار گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس مرتبہ بھی وہی ہوا جو پہلے ہو چکا تھا اور وہ شخص پیغمبر اسلام ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تک پہنچنے میں ناکام رہا۔

جب سراقہ نے یہ دیکھا کہ اس کا گھوڑا متواتر چار بار زمین بوس ہو چکا ہے اور اس کی فال بھی اچھی نہیں نکلی تو وہ فریاد کناں چلایا: یا محمد (ﷺ) ٹھہرو، میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

سراقہ نے اپنا گھوڑا اپنے ہمراہیوں کے حوالے کیا اور پیدل ہی حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہو گیا اور ان کے سامنے پہنچنے کے بعد بولا: ''یا محمد (ﷺ) میں قریش کا اتحادی ہوں اور چاہتا تھا کہ آپ کو گرفتار کر کے قریش کے حوالے کر دوں اور اس کے

بدلے میں ایک سو اونٹ دریافت کروں لیکن اب مجھے احساس ہے کہ آپ برحق ہیں کیونکہ میرا گھوڑا چار بار زمین پر گر گیا اور آپ تک نہ پہنچ سکا؛ لہٰذا میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ آپ ایک دن قریش پر غلبہ پالیں گے اور میں اس دن کے لئے آپ سے امان مانگتا ہوں۔''

پیغمبر اسلام ﷺ نے پوچھا: ''تمہارا مطلب کیا ہے؟''

سراقہ بن مالک نے جواب دیا: ''میرا مطلب یہ ہے کہ جب آپ قریش پر غلبہ کریں تو مجھے ان کا ساتھ دینے کے جرم میں سزا نہ دیں اور نہ ہی میرے قبیلے کو انتقام کا نشانہ بنائیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے کہ اس دن تم امان میں ہو گے اور کوئی تمہیں یا تمہارے قبیلہ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

بعد میں سراقہ بن مالک مسلمان ہو گئے اور ان کا شمار اسلام کے نامور سرداروں میں ہونے لگا۔ اس دن کے بعد انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی جستجو میں آنے والے قریش کے افراد کو اپنے قبیلے کی حدود میں آنے سے منع کر دیا اور جب بھی کوئی وہاں آتا تو وہ اسے گمراہ کر دیتے اور کہتے کہ محمد (ﷺ) یہاں سے نہیں گزرے شاید کسی اور راستے سے گئے ہوں گے۔

کچھ اسلامی کتابوں میں یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ ہجرت کے سفر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ اور ایک دوسرے غلام جو دونوں آزاد ہو چکے تھے' حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے۔ ان کتابوں کے مؤلفین نے لکھا ہے کہ عامر بن فہیرہ چونکہ راستوں کو بخوبی پہچانتا تھا اور راہنما (یعنی گائیڈ) کے طور پر بھی کام کرتا تھا اسی لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

دو دن کے بعد حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سامنا ایک قافلے سے ہوا اور پتہ چلا کہ آپ کا ایک چچازاد بھائی ''زبیر بن العوام'' اس قافلے میں سفر کر رہا ہے۔ لہٰذا انہوں نے زبیر سے کچھ کپڑے اور اشیائے خورد و نوش حاصل کیں اور سفر جاری رکھا۔ مزید دو دن کی رہ نوردی کے بعد وہ لوگ ''اسلم'' نامی قبیلہ میں پہنچے اور اس قبیلے کے سربراہ ''اوس بن ہاجر'' نے تجویز پیش کی کہ وہ لوگ اس قبیلے کے ایک فرد کو جو درحقیقت راہنما (گائیڈ) بھی تھا' اپنے ہمراہ لے جائیں تاکہ وہ ان لوگوں کو بخیر و عافیت مدینہ کی حدود تک پہنچا دے۔ اس طرح مسعود نامی ایک سفری

راہنما پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ ہولیا۔

جزیرۃ العرب کے صحراؤں میں ایک سفری راہنما یعنی گائیڈ صرف راستہ بتانے والا شخص ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی حیثیت ایک پاسپورٹ کی سی بھی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان خشک اور بے آب و گیا صحراؤں میں ایک گائیڈ کا وجود سفر کرنے والوں کے لئے فی الحقیقت زندگی کے بیمے جیسی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحراؤں میں سبھی ایک راہنما کو پہچانتے ہیں اور راہنما بھی سب سے واقفیت رکھتا ہے لہٰذا اتنا ہی کافی ہے کہ جب وہ دور سے آواز لگائے اور اپنا تعارف کروائے تو راستہ روکنے والے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں اور مسافروں کو جانے دیتے ہیں۔ جزیرۃ العرب کے صحراؤں میں جو مسافر کسی راہنما کے ساتھ سفر کرتا ہے تو وہ کسی مشکل سے دوچار نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی اس کی جان و مال پر بری نظر ڈالتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ نے اوس بن ہاجر کی تجویز مان لی اور مسعود کو سفری راہنما کے طور پر اپنے ساتھ لے لیا۔

مسعود نے پیغمبر اسلام ﷺ کو بتایا کہ وہ اپنے قبیلے کی حدود تک ہی ان کا ساتھ دے سکتا ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے یہ بات بھی مان لی اور یوں وہ دونوں حضرات، مسعود کی راہنمائی میں دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ مسعود نے اپنے قبیلے کی آخری حدود تک ان کا ساتھ دیا وہاں پہنچنے کے بعد بولا کہ میں اس جگہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ اپنے قبیلے کی حدود سے نکل جاؤں گا۔ حضرت محمد ﷺ نے شکریے کے ساتھ مسعود کو اذن رخصت دیا اور وہ اپنے قبیلے کی طرف واپس لوٹ گیا۔ قبیلہ اسلم کی حدود سے خارج ہونے کے بعد حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسے علاقے میں داخل ہو گئے جس کے دوسرے سرے پر ''قبا'' نامی سرزمین واقع تھی۔

قبا کے نزدیک ہی پیغمبر اسلام ﷺ یک لخت ٹھہر گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے: ''یا ابوبکر! اس اونٹنی کو جس پر میں بیٹھا ہوا ہوں، میرے ہاتھوں فروخت کر دو۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تعجب آمیز لہجے میں بولے: ''یا رسول اللہ ﷺ اس اونٹنی کو خریدنے کی کیا ضرورت ہے میں اس قصویٰ کو یونہی آپ کی نذر کرتا ہوں۔''

''قصویٰ'' جزیرۃ العرب کی اصیل اونٹنی کو کہتے تھے۔ ایسی اونٹنی باربرداری کے لئے

استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ صرف سواری یا اونٹوں کی دوڑ میں حصہ لینے کے لئے پرورش پاتی تھی۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے جواب دیا: ''یا ابوبکر! میں جانتا ہوں کے تم نے اپنی ساری دولت اللہ کی راہ میں اور اس کے دین کے فروغ کے لئے پانی کی طرح بہا دی ہے لیکن میں اس اونٹنی کو اپنے ذاتی استعمال کے لئے چاہتا ہوں لہٰذا تمہیں اس کی بخشش نہیں کرنی چاہئے۔ تم اس قصویٰ کی قیمت بتا دو میں ادا کر دوں گا۔''

جزیرۃ العرب میں کچھ اصیل اونٹنیوں (یعنی قصویٰ) کے کان کاٹ دیے جاتے تھے اور ایسا کرنے سے ان کا یہ خیال تھا کہ اگر اونٹنی کے کان تھوڑے سے کاٹ دیے جائیں تو وہ زیادہ تیز رفتار سے دوڑ لگا سکتی ہے۔ اس قسم کی گوش بریدہ یعنی کان کٹی اونٹنی کو عربی زبان میں ''قصویٰ'' کہتے ہیں اور چونکہ جس اونٹنی پر پیغمبر اسلام ﷺ سفر کر رہے تھے اس کا کان بھی کٹا ہوا تھا لہٰذا یہ بھی ''قصویٰ'' تھی۔ تاہم بعد میں یہ نام اسلامی تاریخ میں ''اسم خاص'' کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ قصویٰ کو بطور نذرانہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو انہوں نے چار سو درہم کے عوض وہ اونٹنی پیغمبر اسلام ﷺ کے ہاتھوں فروخت کر دی اور یہ وہی اونٹنی ہے جس کا نام اسلامی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے ثبت ہو چکا ہے اور وہ مسلمان جو پیغمبر اسلام ﷺ کی ہجرت کی تاریخ سے واقف ہیں یہ ضرور جانتے ہیں کہ جس اونٹنی پر بیٹھ کر پیغمبر اسلام ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اس کا نام ''قصویٰ'' تھا۔ (جاری ہے)

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ
کی تازہ اشاعت
صہیونیت، قرآن مجید کے آئینے میں
اہل علم کے تأثرات

1. عبدالرشید ارشد (جوہر آباد)

الفاظ بظاہر 'الف' سے 'ی' تک کے حروف سے ہی بنتے ہیں مگر انہی حروف کا ہر مجموعہ یا اِن سے تشکیل پانے والا ہر لفظ اپنی ایک انفرادیت رکھتا ہے اور پڑھنے والے کے قلب و ذہن پر مخصوص اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہ الفاظ ہی ہوتے ہیں جو سکینت کا باعث بنتے ہیں اور وہ بھی الفاظ ہی ہوتے ہیں جو قلوب و اذہان کا سکون ہی غارت نہیں کرتے بلکہ وحشت و بے چینی بلکہ درندگی تک کی تاریخ لکھنے پر انسان کو مجبور کرتے ہیں۔

'صہیونیت' بظاہر حروفِ تہجی ہی کا ایک مجموعہ ہے مگر لفظ ادا ہونا تو رہا الگ اس پر نظر پڑتے ہی صدیوں پر محیط وحشت و بربریت کی تاریخ کے اُوراق بڑی تیزی سے پلٹتے لوحِ قلب و ذہن پر ہر باشعور دیکھتا ہے۔ صہیونیت کو جنم دینے والی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مغضوب و نافرمان قوم تھی اور اُسی کا تسلسل آج بھی ہے یہود اپنے مخصوص روّیوں کی تاریخ رکھتے ہیں۔ یہ تاریخ چند ہزار سال پر محیط ہے مگر خالق کائنات نے اِسے لوحِ محفوظ پر محفوظ کیا اور پھر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آج سے کم و بیش ساڑھے چودہ سو سال قبل بصورت وحی نازل فرما کر اُمت مسلمہ کو، یہود کو صہیونیت کے علمبرداروں کے روپ میں متعارف کرایا۔

قرآن اکیڈمی جھنگ کے روح رواں محترم انجینئر مختار فاروقی صاحب نے قرآنِ حکیم کے حوالے سے صہیونیت کے مکروہ چہرے سے پردہ اُٹھایا ہے۔ اُن کی محنت و جانفشانی سے مرتب

کردہ 300 صفحات پر محیط علمی و تحقیقی کاوش ''صہیونیت، قرآنِ مجید کے آئینے میں'' اپنے عنوان پر انتہائی مفصل و مدلل اور معتبر تصنیف ہے۔ یہ کتاب چار ابواب پر پھیلائی گئی ہے۔ بابِ اوّل صہیونیت کے خدوخال، باب دوم صہیونیت 600 ق م سے 610 ق م تک، بابِ سوم صہیونیت کی قتل انبیاء کرام علیہم السلام کی روش اور بابِ چہارم صہیونیت کا منطقی انجام پر مشتمل ہے۔

محقق محترم صفحہ 129 پر سیرت نگار WATT کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''یہ ایک حقیقت ہے کہ یہود کی عظیم اکثریت پہچاننے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائی۔ عام طور پر اس کی ایک ہی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ غیر یہودی (NON-JEWS) تھے لہٰذا وہ ایمان نہیں لائے۔ تمام مغربی سیرت نگار یہی تذکرہ کرتے ہیں حتیٰ کہ مشہور مغربی سیرت نگار بھی یہی لکھتا ہے۔''

محقق محترم نے مذکورہ اقتباس کے بعد یہ لکھا ہے ''مگر یہ محل نظر ہے'' مگر راقم الحروف نے سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن میں دیکھا کہ حضرت اُم المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کی شہادت درج ہے جو بہر حال معتبر ہے کہ وہ ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی تھیں تو ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں۔ یہود نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ''نبوت کو پہچان گئے تھے'' پر فرماتی ہیں۔

''جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو میرے والد اور چچا دونوں ملنے گئے بڑی دیر تک گفتگو کی۔ پھر گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے اِن دونوں کی یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبر ہماری کتابوں میں دی گئی ہے؟

والد: خدا کی قسم، ہاں!

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد: ہاں

چچا: پھر کیا ارادہ ہے؟

والد: جب تک جان میں جان ہے، اس کی مخالفت کرونگا، اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔''

(بحوالہ تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 94-93، بحوالہ ابن ہشام جلد دوم صفحہ 165 طبع جدید)

قرآنِ کریم میں صہیونیت کے ذکر پر محقق محترم کا یہ فرمانا ہر طرح بجا ہے کہ:

’’قرآن مجید جو صہیونیت کی کارستانیوں کا پردہ چاک کرنے والی واحد موجود کتاب ہے اور جو موجود اس لئے ہے کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور منطقی طور پر اس کتاب کی حفاظت و اشاعت کے لئے مسلمانوں میں سے بھی ایک گروہ کی حفاظت اور موجودگی کا ذمہ لیا ہے تا کہ کتاب اقصائے عالم میں منظر عام پر رہے اور صہیونیت کے سینے کا داغ بنے اور دل کی جلن کا سبب بنی رہے۔‘‘(صفحہ 129)

صہیونیت کو قبل از بعثت اور بعد از بعثت کے عنوانات کے تحت بڑے علمی انداز میں ذیلی سرخیاں دیتے قاری کے لئے سہولت پیدا کی ہے۔مثلاً قبل از بعثت کے ذیلی عنوانات میں انبیاء علیہم السلام کی مخالفت، انبیاء علیہم السلام سے دشمنی، اخلاق دشمنی، قتل انبیاء علیہم السلام اور اہم شخصیات کا قتل وغیرہ شامل ہیں۔تو صہیونیت کے پرستاروں کی ڈھٹائی بھی زیر بحث لاتے قرآنی دلائل سے قاری کو مطمئن کیا گیا ہے۔صہیونیت کی تاریخ کو چند جملوں میں قاری کے سامنے محترم محقق نے یوں بھی سمیٹا ہے۔

’’خلافت راشدہ سے لے کر آج تک تاریخ عالم گواہ ہے کہ حالات کا اصل دھارا اُمت مسلمہ اور صہیونیت یا بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کی باہمی رقابت، آویزش اور دشمنی کی تاریخ ہے اور خیر و شر کی جنگ ہے۔‘‘(صفحہ 210)

یہ بھی صہیونیت ہی کا کمال ہے کہ اُن کے ایما پر جنرل پائک نے ایک الگ تھلگ مقام پر 11 سال تک بیٹھ کر انتہائی غور و تدبر سے 3 عالمی جنگوں اور تین عالمی سطح پر اثر انداز ہونے والے انقلابات کی منصوبہ بندی کی اور یہ منصوبہ بندی اس قدر نوک پلک سنوار کر سامنے لائی گئی کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم اور تینوں انقلابات ٹھیک ٹھیک ویسے ہی وقوع پذیر ہوئے اور اسی قدر انسانی جانوں اور اموال کا نقصان ہوا جو طے شدہ تفصیلات کا حصہ تھے۔یہ سب کچھ عالمی صہیونی اقتدار کی راہ ہموار کرنے کے لئے تھے۔تیسری عالمگیر جنگ یا جنگ ہرمجدون بعض اسباب کے سبب تا حال مؤخر ہے مگر صہیونیت اس کے لئے سراپا عمل ہے۔اس تیسری جنگ یا جنگ ہرمجدون کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحمۃ الکبریٰ فرمایا ہے۔آج صہیونیت کے ہمہ جہت اقدامات اس جنگ کو قریب لانے کے لئے ہیں۔

محترم انجینئر مختار فاروقی صاحب نے ''صہیونیت'' میں صہیونی مخصوص زبان قبالہ پر بھی روشنی ڈالی ہے قبالہ بظاہر عبرانی حروفِ تہجی ہیں مگر قبالہ کی انگریزی حروف کے ذریعے وضاحت کو دیکھیں تو رونگٹے کھڑے کر دینے والے حقائق قاری کے سامنے آتے ہیں بلکہ بین الاقوامی سطح کے کئی راز افشا ہوتے ہیں۔

مثلاً: NEW YORK کے N اور Y کو اُنہوں نے N = خطرے کا نشان ☠ جبکہ Y کو ✡ ڈیوڈ سٹار سے ظاہر کیا ہے۔غور کریں تو 2001ء میں 9/11 کا وقوعہ صہیونی موساد کی کاروائی تھی جس کی اب تک عالمی سطح پر تصدیق بھی ہو چکی ہے۔اسی طرح سیر یا یعنی شام وعراق اور مصر کے انگریزی حروفِ تہجی کو قبالہ کی ٹرمانولوجی کی روشنی میں پڑھیں۔تو آج تک ان ممالک میں ہونے والی دہشت و وحشت کی کاروائیوں کی پشت پر صہیونیوں کی برسوں قبل منصوبہ بندی کارفرما نظر آئے گی۔صہیونیت کے حوالے سے قرآن کی روشنی میں تحقیق وقت کی ضرورت تھی جسے خوش اسلوبی سے نبھایا گیا ہے۔

''صہیونیت قرآن مجید کے آئینے میں'' ایک مدلل ومفصل کوشش تو ہے ہی مگر کتاب کا ظاہری حسن، کتابت و طباعت کا معیار بھی خوب ہے۔قرآن اکیڈمی کو ایسی معیاری کتب طبع کرنے پر مبارک نہ کہنا زیادتی ہوگا اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے وہ انجینئر مختار فاروقی صاحب کی محنت کو شرفِ قبولیت بخشے اور اُن کے جملہ کام کو محشر کا زادِراہ بنالے۔آمین یارب العالمین

---

2. غلام خیرالبشر فاروقی، ہری پور

بلاشک وشبہ مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ نے ماہنامہ 'حکمت بالغہ' جھنگ میں شائع شدہ سلسلۂ مضامین کو کتابی شکل میں امر کر دیا ہے۔ جزاک اللہ۔کتاب کے چاروں ابواب کا ماخذ خالصتاً قرآن مجید فرقانِ عظیم کا نچوڑ ہے۔

مصنف نے معلوم تاریخ میں آسمانی ہدایت و وحی کے اشاروں کنایوں میں بڑی خوبصورتی اور مبنی برحقائق حوالوں سے اس 'بین الاقوامی شر' کی عکاسی کر کے ''شر کے اس منبع و سرچشمہ'' کو طشت از بام کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔''صہیونیت'' پر راقم نے بھی مشغلۃً بہت کچھ

پڑھا اور لکھا ہے مگر جس اندازِ مہارت سے ''قرآن مجید کے آئینے میں'' مصنف نے کتاب ترتیب دی ہے وہ لائق تحسین ہی نہیں بلکہ ''لائق عبادت'' ہے، صفحہ نمبر 7 کے پیش لفظ میں ایک فلاسفی واضح ہوئی کہ ''جب انسان نے آج سے چار ہزار سال قبل 'اجتماعیت' میں قدم رکھا جسے ڈان آف ہسٹری کہتے ہیں، ! ابلیس کے حوالے سے جو نکتہ اُٹھایا ہے کہ اس نے اپنے کارندوں کو منظّم کر کے خداشناسی اور انسان دوستی کے افکار کا راستہ روکنے کی کوششیں کی ہیں اور کامیاب بھی ہوا.....''

یہ فلاسفی ساری کتاب کا میرے نزدیک ''اخذ'' ہے۔ کیونکہ صہیونیت کے ابلیسی منصوبوں کا پردہ چاک کرنے والی مکمل واحد مستند کتاب بلاشبہ قرآن حکیم ہے۔ بڑی محنت سے مصنف نے قرآن حکیم کی مختلف سورتوں سے احوال کا تجزیے کے ساتھ موازنہ کیا ہے کہ حزب الشیطان کے اوصافِ خبیثہ کیا کیا ہیں۔

راقم الحروف چونکہ خود بھی اس موضوع و مضمون کا دیوانگی کی حد تک طالب اور قدردان ہے لہٰذا اپنی تحقیق و تجسّس کے حوالوں سے اختصاراً نچوڑ یہ پیش کرنا چاہتا ہے کہ ''چیلنج ابلیس'' بابت انسان ہی اس کا محرک ہے۔

اس گروہِ انسانیت کی تخلیق کا دین ابراہیمی کے آغاز سے شریعت موسوی تک شیطانِ اکبر نے اپنا ''لائحۂ عمل'' بڑے دوراندیشانہ پروگرام سے متعین کرلیا تھا، جس کی بنیاد ایک منفی سوچ پر کھڑی ہے جیسا کہ تورات میں مذکور ہے اور یہ کردار والدۂ یعقوب کو دیا گیا ہے۔ جب اسحاق علیہ السلام ضعیف العمری میں بینائی و سماعت سے بھی محروم ہو چکے اور قریب المرگ تھے تو شیطان نے یعقوب علیہ السلام کی والدہ کو بہکایا اور اصلی جانشین پہلوٹھے بیٹے عیسو کے بہروپ میں یعقوبؑ کو (جو والدہ کا چہیتا تھا) پیغمبری کی خلعت بمطابق اس وقت کی روایت کے عطا کرادی۔ جو دھوکہ دہی تھی، پیغمبر وقت اور خاوند کے ساتھ۔ یہ تفصیل طویل ہے، جس سے راقم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بنی اسرائیل کی بنیاد ہی دھوکہ دہی سے ہوئی جو جاری و ساری ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے آغاز میں ہی سامری جادوگر کے بچھڑے کی حیاتیاتی تاثیر بھی دراصل شیطان ہی کی سواری کے خاکِ پا سے تھی، جس کا اثر از روئے قرآن حکیم یہودیوں میں نسل در نسل جاری ہے۔ واللہ اعلم۔ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ (ان کے قلوب میں وہی بچھڑا پیوست ہو گیا

تھا ان کے کفر کی وجہ سے) القرآن

بہر حال مصنف نے مذکورہ تصنیف کو ہمہ پہلو جدید و قدیم کے حوالہ جات سے امر کر دیا ہے۔ صفحہ نمبر 12 میں مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاس کی شرح میں فرمایا کہ ''اگر انسانوں کا یہ ایک منظّم، مربوط اور شیطانی فدائی طبقہ ابلیس کا آلہ کار نہ ہوتا، تو شاید دنیا کی تاریخ ہی مختلف ہوتی۔۔۔

''راز اور حقیقت کے تعلق سے'' ابلیسیت اور صہیونیت کے عزائم کیا ہیں؟ کا پس منظر اتنا گھمبیر ہے کہ اس پر ''حکمت ایزدی'' کے ازلی و ابدی پروگرامز بھی وقت دنیا کے ساتھ کھلنے کا اہتمام بھی مصنف نے کر دیا ہے، ''غور و فکر'' کی قرآنی تنبیہ ''خیر و شر'' کے حوالوں سے فرمائی گئی ہے، گروہِ انسانی میں یہ مغضوب طبقہ (صہیونیت) خالصتاً پیغمبرانِ ابلیس ہے۔۔۔ جنھیں باقاعدہ وحی الٰہیہ کے چربہ میں شیطان نے اپنایا ہے اور اپنے پیروکاروں کو وہ خود القاء کرتا ہے۔ مغضوبیت کے تناظر میں مصنف نے جو دلائل قرآنی پیش کیے ہیں وہ بلاشبہ ''مؤمنانہ فراست'' کے حامل لکھاری ہی کا حصہ ہیں۔

مصنف کی تحقیق، ''یاجوج ماجوج'' اسی تسلسل کا حصہ معلوم ہوتی ہے جو القاء ربانیہ کا دورِ حاضر اور مستقبل قریب کا انسائیکلوپیڈیا ہے جو کہ دجال کی شرح ہے۔

موضوع ھٰذا عصر حاضر کی اُمت مسلمہ کی ضرورتِ لازمہ ہے، کہ معرکہ خیر و شر فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو رہا ہے۔ اس موضوع عجیبہ کا مجھے بھی اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے ادراک بخشا ہے۔ شروع شروع میں اس میدانِ خاردار میں شیاطین جنی و انسی ہر نو وارد کو بڑا زک پہنچاتے ہیں۔ آدمی آسیب زدہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ دنیاوی معاملات میں رکاوٹیں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ سر بھاری بھر کم حواس باختہ محسوس ہوتا ہے۔ نظر آتا ہے کہ کوئی سفلی قوتیں تنگ کر رہی ہیں۔۔۔ مگر قرآن حکیم کی تلاوت اور تعوّذ ڈھال ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال تکلیفیں بڑھ جاتیں ہیں، اولادوں پر انتقام کے نشتر برسنے لگتے ہیں۔۔۔ مگر ہمت مرداں مددِ خدا'' کے یقین سے بالآخر ملکوتی مثبت قوتیں تحفظ کا ذمہ لے لیتی ہیں۔

مختار فاروقی صاحب کو اس کتاب کی اشاعت پر تحسین و مبارکباد کے ساتھ ساتھ تمام ناگہانی آفات اور سفلی بلاؤں سے محفوظ رکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ یہ جسارت عام

موضوع ہرگز نہیں ہے، تحریک صہیونی کا ساحرانہ اثر ساری انسانیت پر غیر محسوس انداز سے جاری ساری ہے جبکہ انسانیت کی طرف سے شیطان کے لیے میدان بالکل صاف اور بلا مقابلہ ہے۔ بلکہ انسانوں کی اکثریت اس کی پجاری بن چکی ہے۔ بمصداق سورۂ سبا آیت 20: شیطان نے انسان کے بارے میں اپنا گمان درست پایا کہ ماسوائے چند ایمانداروں کے سب اس کے پجاری بن گئے۔ (استغفراللہ تعالیٰ)

عصر حاضر مسلمانوں پر بہت بھاری کر دیا گیا ہے۔ ہر طرف شیاطین جنی وانسی دندناتے پھرتے ہیں، چمک دمک میں ''دجالیت'' کا دور دورہ ہے۔ اکیسویں صدی عیسوی کی شروعات ہی معرکہ حق و باطل سے جاری ہوئی جس کی سرخیل صہیونیت ہی ہے۔ شیطانی کروفر نے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھایا ہے اور یہی دجال کی تعریف وتشریح ہے، جس کا ذکر نوح علیہ السلام سے ہر نبی نے اپنے پیروکاروں سے کر رکھا تھا۔ آقائے نامدار ﷺ نے بھی دجال کے بارے میں بڑی وضاحت سے انتباہ فرما رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ دجال نہ صرف انسانیت کا دشمن ہوگا، بلکہ وہ کائنات کا بھی دشمن ہوگا کہ اُس کی ہیئت (فطرت) تبدیل کرنے پر بھی قادر کر دیا جائے گا۔ مردے زندہ کرنے پر قادر ہوگا، زمین کے مخفی خزائن اس کی دسترس میں یوں پھیلتے چلے جائیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے چھتے کی طرف بآسانی پہنچ آتی ہیں۔ جنت، دوزخ کا سماں زمین پر ہی اس کے اختیار میں ہوگا وغیرہ۔۔۔۔

''صہیونیت، قرآن مجید کے آئینے میں'' کی کتاب میں مصنف نے اُمت مسلمہ اور عالمی صہیونیت آمنے سامنے (صفحہ 210) کے بیان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں (اسحاق اور اسماعیل) کی شرح کی فلاسفی کو مکہ اور یروشلم کی سرزمین کی آبادی کو نیرنگیٔ قدرت کے حوالے سے ''بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل آمنے سامنے'' حزب اللہ اور حزب الشیطان کے روپ میں اُجاگر کر کے غور وفکر کے نئے دھارے کھول دیے ہیں۔ راقم اکثر سوچتا ہے کہ کیا وجہ تھی یا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پہلوٹھے اسماعیل علیہ السلام نے شیر خوارگی ہی سے معہ والدہ ماجدہ کے پیغمبر عظیم باپ کے ساتھ ارضی امتحانات کے اندر شمولیت کے باوجود اسحاق علیہ السلام تو بے شمار رسولوں کے جد بنے جبکہ اسماعیل علیہ السلام کی پشت سے صرف ایک رسول اللہ ہی کیوں؟ یہ سوچنے کا نیا دھارا ہے جسے

مصنف نے چھیڑا ہے، قارئین کتاب کو تاریخ بنی اسرائیل چار ہزار سال پر محیط کا خاکہ پیش تو کر دیا ہے مگر زمین مکہ اور یروشلم کا حوالہ نہیں دیا گیا کہ یہ کیا راز ہے؟؟؟۔

بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کا فیصلہ کن معرکہ انہی دونوں علاقوں میں متوقع ہے جس کی حضور پاک ﷺ نے بھی اور خود بنی اسرائیل کی کتابوں میں بھی بڑی تفصیل موجود ہے، جو ہمارے دور میں بڑے واضح بنیادوں کا حامل ہے۔۔

قارئین تصنیف سے استدعا ہے کہ روایتی بحثوں سے ہٹ کر اپنے اپنے ذوق وظرف کے مطابق دل کھول کر اس ''عجیب وعظیم موضوع'' پر اپنی آراء سے اسی کتاب کے حصہ دوم کے لیے مبنی برحقیقت مواد مصنف کو مہیا فرماویں کہ یہ موضوع ''چیلنج ابلیس'' کے حوالے سے ساری انسانیت کے لیے بڑا اہم ہے۔

جناب فاروقی صاحب السلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته

سرسری طور پر تو مطالعۂ تصنیف ہو گیا ہے۔ جس پر چند صفحات کا تبصرہ فی البدیہہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ واملا سے پیش خدمت ہے۔ میری تحریریں ''بے ادب'' اس لیے ہوتی ہیں کہ نہ میں ادیب ہوں اور نہ لکھاری، جو کچھ محسوس کرتا ہوں بغیر مرچ مصالحہ کے قلم اُگل دیتا ہے، کہ قلم کو اللہ تعالی نے علم کا سرچشمہ قرار دیا ہے، لکھتے وقت مجھے الفاظ کی ترتیب کی ترغیب ہی نہیں ہوتی۔ بہرحال ''الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا''

میری طرف سے ذاتی طور پر اتنی شاندار کاوشِ تصنیف پر بہت بہت مبارکباد وتحسین قبول فرمائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ''موضوع ھٰذا'' کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ آپ کو حصہ دوم، سوم بھی شائع کرنا پڑ جائے گا۔ تبصرہ میں کچھ نکاتِ غیر روایتی فقیر نے بھی اُٹھائے ہیں جنھیں ''سوالات جوابات'' کے ضمن میں بے پنہاں وسعت دی جاسکتی ہے۔

میرے پاس بفضل ربی وافر تعداد میں مستند مواد موجود ہے اور شیطان کے ''چیلنج'' کے تناظر میں صہیونیت جو ایک تحریکِ ابلیسی ہے کو روحانی پہلوؤں سے اُجاگر کرنے کی جسارت کریں گے، ان شاءاللہ تعالیٰ۔ ''شیطان'' ایک حقیقت ہے جسے ہر آسمانی صحیفے اور کتابوں میں بار بار کوٹ (QUOTE) کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر انسانوں کو اس کی مہارت اور دشمنی سے

آ گاہ وخبردار کیا ہے۔ہم نے مل کران گتھیوں کو''سلجھانے'' کی عبادت کرنی ہے، کہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ انسانیت کواس ازلی دشمن سے کیسے چھڑایا جائے جس نے اکثریت کو یرغمال بنالیا ہے۔ جنات کی تشریح بھی لازمی ہے کیونکہ شیطان کی طاقت خفی، شیاطین جنات ہی کی بدولت ہے جو صہیونیت کا سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہورہے ہیں۔قرآنی حوالوں سے بھی بفضل ربی جنات اور انسانوں روزِ محشر والی مشترکہ کارروائیوں کی آیات سے بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے اور حالیہ ایجادات شر میں بھی انہی کی سابقہ''پریکٹس ارضی'' اپنے جیسے شریرانسانوں (آئن سٹائن، ڈارون، کارل مارکس ڈاکٹر کوانٹم تھیوری وغیرہ) کا مکالمہ بازی کی گنجائش بحث سے بہت کچھ اخذ ہوسکتا ہے۔ برمودہ تکون مشرقی امریکہ کے پاس کھلے سمندر میں ہے جہاں تختِ شیطان سجایا جاتا ہے اور دجال جو شیطان اور سامری کا پرتو ہے وہاں پہنچادیا گیا ہے جس کے امریکی صدور سے رابطے حال میں ثابت ہوچکے ہیں۔یہ سب کچھ''غوروفکر'' کی دعوت دیتے ہیں۔

انسان دوست اور ابلیس کا دشمن (غلام خیرالبشر فاروقی)

حکمت بالغہ اکتوبر 2013ء کی

خصوصی اشاعت: ''الصَّلٰوۃ والسَّلام علٰی رسولِ اللّٰہ ﷺ''

پر

اہل علم کے تأثرات

1. ہفت روزہ ندائے خلافت (7/جنوری 2014ء) تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا اور سلام کہنا بہت بڑی نیکی ہے۔ مرتب نے اس تحریر میں الصلوٰۃ والسلام علی محمد ﷺ پر جامع انداز میں گفتگو کی ہے۔ جرید کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ تمہید سمیت پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ آغاز میں مستند عربی لغات میں الصلوٰۃ کے معانی کی وضاحت ہے۔ پھر دورِ حاضر کے معروف مفسرین کے حوالے سے سورۃ الاحزاب کی آیت کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں درود شریف کی اہمیت اور فضیلت پر مشتمل چند احادیث ہیں۔ نیز آپ ﷺ کا نام سن کر درود نہ پڑھنے والے کو رسول اللہ ﷺ کی زبانی بخیل کہا گیا ہے۔ چوتھے باب میں درود شریف پڑھنے کے چالیس محل و مقامات بتائے گئے ہیں۔ پانچواں باب چار حصوں پر مشتمل ہے جو آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہاں سورۃ الاحزاب کی آیت 56 کا پس منظر اور جنگ خندق کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور درود شریف پڑھنے کے بیش بہا ثمرات کا ذکر ہے۔ آگے کچھ ضمنی بحثیں ہیں۔

''من الظلمت الی النور '' کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے یہ سفر ہمہ وقت جاری رہتا ہے۔ کفر سے کوئی انسان نکل کر اسلام میں داخل ہو جائے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کے لئے خوب سے خوب تر کی طرف بڑھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کے ہاں جسمانی

اور روحانی طہارت کا طرفہ انداز میں تذکرہ ہے کیونکہ اسلام جیسی طہارت کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ درود شریف کا پڑھنا آپ ﷺ کو خوش کرتا ہے، جبکہ یہود کی اسلام دشمنی آپ ﷺ کو اذیت پہنچاتی ہے۔ اسی درود شریف پڑھنے سے گریز کرنے والے کو آپ ﷺ نے بخیل فرمایا ہے۔ منافقت کی بحث کرتے ہوئے بتایا کہ آج مسلمانوں میں بہت سے ایسے ہیں کہ جن کا رویہ سراسر نفاق ہے۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے یہودیوں کی طرح حضور ﷺ کو اذیت پہنچا رہے ہیں۔ آپس میں سلام کو رواج دینے کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کا ذکر ہے اور سلام سے گریز یہودیوں کا مزاج ہے۔ نور کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ نور پاکیزگی لازم وملزوم ہیں۔ اخلاق کے ضمن میں آپ ﷺ کی ہستی نورٌ علیٰ نور تھی۔ آپ ﷺ کی سکھائی ہوئی دعائے نور بھی یہاں درج ہے۔

آخر میں جذبۂ خیر خواہی کے تحت مصنف نے نصیحت کی ہے کہ مسلمان سنجیدگی کے ساتھ اپنے کردار وعمل کا جائزہ لیں۔ کافروں کی نقالی چھوڑیں۔ NGO's کی سرگرمیوں کا حصہ بن کر کفر کو تقویت نہ دیں اور نہ ہی کوئی ایسا کام کریں جس سے اسلام کی بدنامی ہوتی ہے۔

2. ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ (جنوری 2014ء) تبصرہ نگار: مولانا عبدالقیوم حقانی

ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' جھنگ سے انجمن خدام القرآن جھنگ کے روحِ رواں جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب کے سرپرستی میں شائع ہونے والا ایک علمی جریدہ ہے۔ اس جریدہ نے اپنی سات سال کی عمر میں متنوّع قسم کے موضوعات پر اعلیٰ اور معیاری خصوصی اشاعتیں شائع کی ہیں۔ زیرِ نظر اشاعت نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ والسلام کے موضوع پر ہے۔ اس میں قرآن وحدیث اور مفسرین ومحدثین سے رہنمائی لی گئی ہے۔

اس خصوصی نمبر کے تمہیدی صفحات میں عظمت رسول ﷺ درود شریف میں لفظ آل کا اصل مفہوم، آیت صلوٰۃ والسلام کا زمانۂ نزول یہ بحث کی گئی۔ دوسرے باب میں آیت صلوٰۃ والسلام پر اہل لغت اور مفسرین کرام کی آراء نقل ہوئی ہیں۔

تیسرا باب اہل علم کی تحریروں پر مشتمل ہے۔ کراچی کے جناب امیر الدین احمد کا مقالہ

خاصے کی چیز ہے۔ چوتھے باب میں درود شریف پڑھنے کے 40 محل ومقامات جو علامہ ابن قیم کی کتاب ''جلاء الافھام'' کے ایک باب کی تلخیص ہے۔ چار حصوں پر پانچواں باب رسولِ رحمت للعالمین کی اُمت پر پھوار کے زیرعنوان ہے۔

پورے نمبر یا بہ الفاظ صحیح کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ والسلام ایمان کی پہچان ہے اور آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف ہی ایمان کی اور اس سے اِبا کرنا منافقت کی علامت ہے۔ ہر صاحب دل مسلمان کو اس کتاب کا بالضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

3. پروفیسر محمد الیاس اعظمی (چیئرمین اسلامی تحقیقاتی لائبریری، قصور)

گزشتہ کچھ عرصہ سے آپ کی زیرادارت نکلنے والا علمی وفکری مجلّہ ''حکمت بالغہ'' اعزازی طور پر موصول ہو رہا ہے۔ اگرچہ درمیان میں کبھی کبھار اس سے محرومی بھی ہو جاتی ہے۔ جس کے باعث آپ کے افکار سے آگاہی کی تشنگی بڑی شدت سے محسوس کرتا ہوں۔ خوشامداً نہیں حقیقتاً لکھ رہا ہوں کہ بعض نظری وفکری اختلافات کے باوجود آپ کی یہ کاوش بلاشبہ وقت کی ضرورت بھی ہے اور ملت کا فریضہ بھی ہے جو آپ ادا کر رہے ہیں۔ اس وقت نژادِ نو ماڈرن انفارمیشن ٹیکنالوجی کے جس سیلاب میں بہہ کر دینی وسماجی، اخلاقی وروحانی اقدار سے دور ہٹتی جا رہی ہے۔ اس کو سیدھی راہ کی روشنی دکھانے والا حقیقت میں ملت کا محسن ہے۔ آپ اسی قافلۂ نیک سرشت کے فردِ وحید ہیں۔ دُعا ہے کہ ربِ قدوس اصلاحِ ملّی کے لئے کی جانے والی آپ کی اور دیگر جو جو لوگ بھی یہ کاوشیں کر رہے ہیں، سب کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔

ماہِ اکتوبر کا خصوصی شمارہ ''الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ'' پر یہ عاجز ومسکین جو سرتاپا گناہوں کی آلودگیوں میں لتھڑا ہوا ہے، محبوبِ کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور رفعت منزلت کے حوالے سے کیا اور کیوں کر جرأت کرسکتا ہے۔ میرے نزدیک نسبت رسول ﷺ کے حوالے سے ہر چیز، ہر تحریر جو کسی بھی صنف سخن اور اسلوبِ نگارش کی صورت میں ہو اس کی زیارت بھی عبادت ہے۔ چہ جائیکہ آپ نے یہ نمبر جو ظاہری، صوری ومعنوی ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے شائع کر کے سنت الٰہیہ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس کے مندرجات اہل نظر واصحاب محبت اور یارانِ الفت وتلطّف کے لئے اپنے اندر روحانی بالیدگی اور ازدیادِ محبت کا ساماں پاتے ہیں۔ ہر

باب اپنے اندر ندرت و رعنائی کا ایک علمی و فکری قلزم سمیٹے ہوئے ہے۔ میری بارگاہ حق میں دُعا ہے خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

ہاں خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے ''باب چہارم، درود شریف پڑھنے کے 40 محل و مقامات'' بلاشبہ اپنے اندر بہت سی خوبیوں کا حامل ہے۔ اگر کوئی اپنی آنکھوں سے تعصب و تنفر کی خاص نمبروں کی عینک اُتار کر اس مضمون کا مطالعہ کرے تو اُمید واثق ہے کہ اُمت میں اس حوالے سے بہت پائی جانے والی غلط فہمیوں کا قلع قمع ہو جائے گا۔ بس ایمان کی آنکھ سے پڑھنا شرط ہے۔

میرے محترم فاروقی صاحب! اسی مضمون میں صفحہ 56 پر پیرا گراف نمبر 34 میں آپ نے حضرت شبلی کا واقعہ جو اپنے اندر عشق و محبت اور درود شریف کی برکات کی بے پناہ حدت رکھتا ہے اس کو مولانا ذکریا صاحب نے فضائل درود شریف میں بھی نقل کیا ہے اور بہت سے بزرگان دین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اے کاش! اے کاش! اے کاش آپ واقعہ اور اس میں موجود درود شریف ''صلی اللہ علیک یا محمدؐ'' پورا ذکر کر دیتے تو اس سے آپ کی کوشش وسعی کو اور وسعت ملتی۔ اتحادِ اُمت اور نظریاتی و فکری اصلاح کی منزل قریب تر ہوتی۔*

مگر ایسا کیوں نہ ہو سکا؟ نہ یہ سوال ہے اور نہ اس کا جواب مطلوب ہے۔ بہرکیف غلطی وہی کرتا ہے جو کام کرتا ہے۔ خطا و صواب سے ہی اس کی محنت، لگن، شوق اور جذبے کی آبیاری ہوتی ہے۔ اسلام حریت فکر کی آزادی و پابندی دونوں کا علمبردار ہے اور یہی چیز اس کو صدیوں سے ادیان و مذاہب عالم میں زندہ بھی رکھے ہوئے ہے اور اس کو آگے بھی بڑھا رہی ہے۔

میری طرف سے اس ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ خصوصی اشاعت پر بارِ دیگر آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو کلماتِ تبریک اور جذباتِ تحسین پیش خدمت ہیں۔

---

* حکمت بالغہ کی اس خصوصی اشاعت (اکتوبر 2013ء) کے باب چہارم میں علامہ ابن القیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جلاء افہام سے ''درود شریف پڑھنے کے 40 محل و مقامات'' کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا؛ اس وجہ سے پوری عبارت نقل نہیں کی تھی۔ فاضل مکتوب نگار نے جس واقعہ کو پورا ذکر کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے، ہم ان کی تجویز کا احترام کرتے ہوئے اس کو 62 صفحہ پر پورا شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''جلاء الافہام'' کا ایک اقتباس

34 فرض نماز کے بعد:

مقامات درود خوانی میں سے ایک مقام فرض نمازوں کے بعد ہے اور اس بارے میں بجز اس حکایت کے جسے ابو موسیٰ مدینی نے عبدالغنی بن سعید کے طریق سے سند کے ساتھ ابوبکر محمد بن عمر سے روایت کی ہے اور کوئی اثر وخبر نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس بیٹھا تھا۔ شبلی آئے تو ابوبکر کھڑے ہوگئے۔ معانقہ کیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے کہا:

''اے میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ اور تمام بغداد کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے۔ کہا میں نے اس کے ساتھ وہ کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ شبلی سامنے آئے۔ آپ کھڑے ہوگئے اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! آپ شبلی کے ساتھ ایسی عنایت فرماتے ہیں۔ فرمایا'' یہ نماز کے بعد (لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ) آخر تک پڑھا کرتا ہے اور پھر درود مجھ پر پڑھتا ہے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ

''اس نے کوئی فرض نماز نہیں پڑھی لیکن اس کے آخر میں (لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ) آخر تک پڑھا اور تین دفعہ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّد) (صلی اللہ علیک وسلم) پڑھا۔''

ابوبکر محمد بن عمر کہتے ہیں کہ پھر میں شبلی کے پاس گیا اور پوچھا کہ نماز کے بعد کیا ذکر کرتے ہو تو اُنہوں نے ایسا ہی بیان کیا۔

مترجم: قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

اُندلس (سپین) میں مسلم اقتدار 711ء تا 1492ء میں غیر مسلم اقلیتیں خوش وخرم اور خوشحال تھیں بالخصوص یہود آج تک اس کو اپنا سنہرا دور کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہود (بنی اسرائیل) کی اکثریت کے فسق وفجور کا تذکرہ ہے اور ایک قلیل تعداد (MINORITY) کے خلوص کی تعریف کی گئی ہے اسی طرح کے ایک اندلسی یہودی شاعر کی 'اللہ سے مناجات' پیش خدمت ہے۔

FROM THEE TO THEE

When all within is dark,
And former friends misprise;
From them I turn to thee,
And find Love in thine eyes.

When all within is dark,
And I my soul despise;
From me I turn to thee,
And find love in thine eyes.

When all the face is dark,
And Thy just angers rise;
From thee I turn to thee
And find Love in thine eyes.

Translated by Israel Abrahams
From Israel Abrahams, Festival Studies
(London: Macmillan, 1906; rpt. Ed. Also available).

خانقاہ حبیبیہ نقشبندیہ دارالعلوم چکوال کا 62واں سالانہ سہ روزہ

روحانی، تربیتی، نقشبندی **اجتماع** 21.20.19 مارچ 2014ء

بدھ، جمعرات، جمعہ

0543-541570

الحمد للّٰہ

حکمت بالغہ کے صفحات میں شائع ہونے والی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ کی تشریح

جو فروری 2011ء سے اپریل 2012ء تک

دس قسطوں میں شائع ہوئی تھی

اب کتابی صورت میں طبع ہوگئی ہے

10

علاماتِ قیامت

ایک حدیث مبارکہ کی وضاحت

انجینئر مختار فاروقی

صفحات:128 قیمت:165روپے اعلیٰ طباعت

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے اغراض ومقاصد

☆ عربی زبان کی تعلیم وترویج

☆ قرآن مجید کے مطالعے کی عام ترغیب وتشویق

☆ علومِ قرآنی کی عمومی نشرواشاعت

☆ ایسے نوجوانوں کی مناسب تعلیم وتربیت
جوقرآن مجید کی تعلیم وتعلّم کواپنا مقصد زندگی بنالیں

اورایک ایسی

قرآن اکیڈمی

کا قیام جوقرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کو
وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پرپیش کرسکے

اَلسَّعُیُ مِنَّا وَ الْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہ